صراط النجاة

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان الحسین مصباح الھدیٰ وسفینة النجاة

بے شک امام حسین علیہ السلام ہدایت کا چراغ اور کشتی نجات ہیں

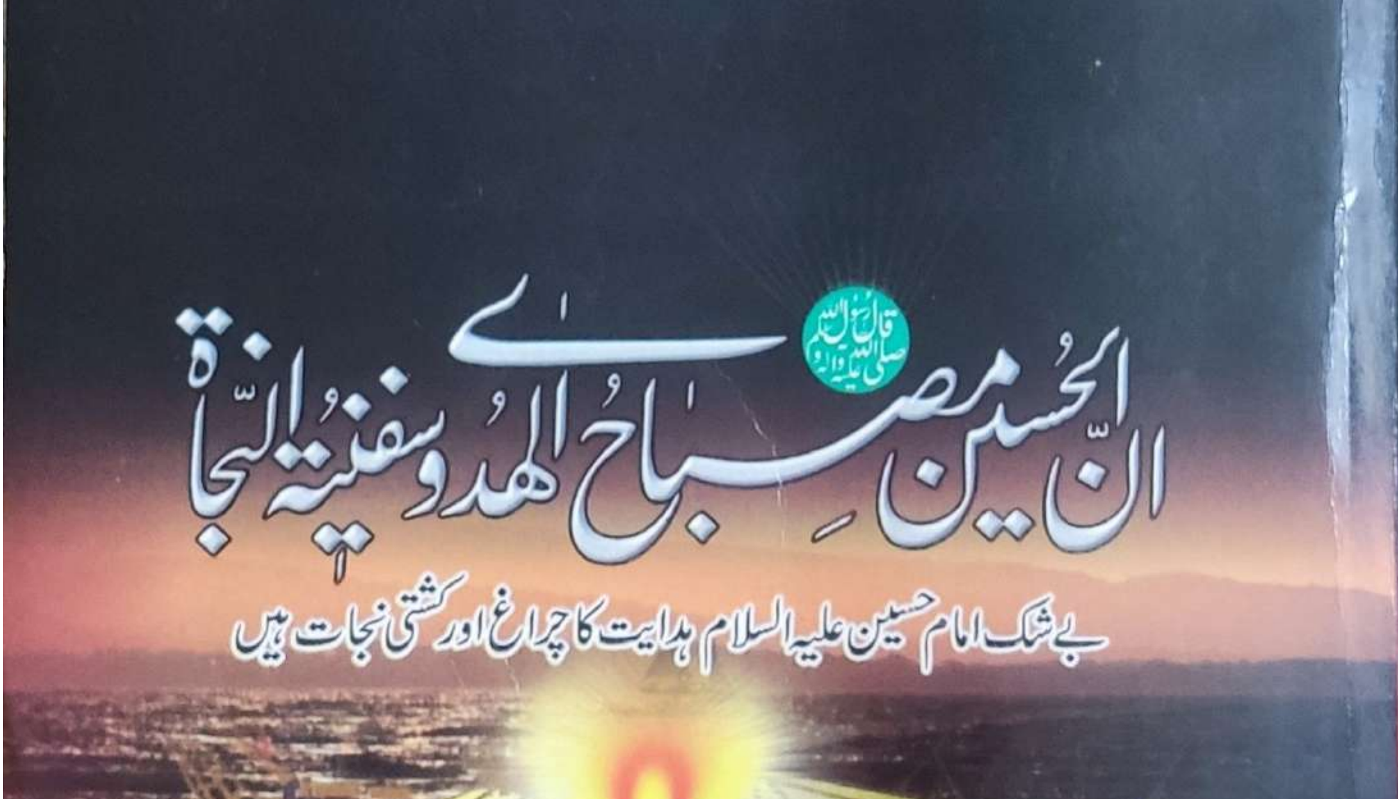

بقلم

سماحة فخر المحققین استاذ المناظرین
حجة الاسلام والمسلمین آیة العلم والفضیلة

علامہ سید مظہر علی شیرازی دام ظلہ

یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا رَبِّ	اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار!
اَسْئَلُكَ بِحَقِّكَ	میں تجھے واسطہ دیتا ہوں تیرے حق کا
وَقُدْسِكَ	تیری پاکیزگی کا
وَاَعْظَمِ صِفَاتِكَ	تیری عظیم ترین صفات کا
وَاَسْمَآئِكَ	اور تیرے مبارک ناموں کا
اَنْ تَجْعَلَ اَوْقَاتِیْ مِنَ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ	میری التجا ہے کہ میرے دن رات کے اوقات کو
بِذِكْرِكَ مَعْمُوْرَةً	اپنی یاد سے معمور کردے
وَبِخِدْمَتِكَ مَوْصُوْلَةً	کہ میرا ہر لمحہ تیری فرمانبرداری میں بسر ہو
وَاَعْمَالِیْ عِنْدَكَ مَقْبُوْلَةً	اور میرے اعمال کو قبول فرما
حَتّٰی تَكُوْنَ اَعْمَالِیْ وَ اَوْرَادِیْ	اس طرح کہ میرے تمام اعمال و اذکار
كُلُّهَا وِرْدًا وَّاحِدًا	ایک ورد کی حیثیت اختیار کرلیں
وَحَالِیْ	اور مجھے تیری اطاعت و عبادت میں
فِیْ خِدْمَتِكَ سَرْمَدًا	ایک دائمی و سرمدی کیف حاصل ہو جائے

علمی اور تحقیقی کتاب:

صراط النجاۃ

بقلم:

سماحة فخر المحققين استاذ المناظرين

حجة الاسلام و المسلمين آية العلم و الفضيلة

علّامہ سید مظہر علی شیرازی دام ظلہ

جملہ حقوق، بحق مصنف محفوظ ہیں۔

کتاب نامہ:

نام کتاب: صراط النجاۃ

تصنیف: آیۃ اللہ علامہ سید مظہر علی شیرازی دام ظلہ

پیشکش: موسسہ جواد الائمۃ (ع) پاکستان

تعداد: ۲۰۰۰

قیمت:

تاریخ: باردوم ۱۴۳۱ھ

مالی تعاون

ڈاکٹر سید عابد حسین آف چک عمرا

بسم الله الرحمن الرحيم

رز۵۳

مصنف کے مختصر حالاتِ زندگی

سماحۃ عالم ربانی سید مظہر علی شیرازی دام ظلہ اپنے آبائی گاؤں کھنب کہنہ ضلع سرگودھا میں ۱۹۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان علم وتقوی، شرافت و دیانت کے لحاظ سے قدیم الایام سے معروف ہے۔ انہوں نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد گرامی فخر السادات سید خورشید حسین شیرازی صاحب اور دادا بزرگوار زبدۃ الاتقیاء عالم ربانی سید کرم حسین شاہ کربلائی (لکھنوی) قدس سرہ سے حاصل کی اور بچپن میں ان سے سترہ دن میں قرآن مجید پڑھا۔

میٹرک کرنے کے بعد دینی تعلیم سے بے حد شوق رکھنے کی وجہ سے مدرسہ دار العلوم محمدیہ سرگودھا میں داخل ہو گئے۔ وہاں صَرف ونحو، منطق، علمِ معانی بیان اور فقہ کی کتابیں محنت کے ساتھ پڑھیں۔ موصوف کو مناظرہ سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ اسی بنا پر انہوں نے مدرسہ محمدیہ میں تین تمرینی مناظرے کئے اور مناظرے کے دوران ان کے استاد سلالۃ السادات علامہ سید اعجاز حسین شاہ کاظمی دام ظلہ بعنوانِ فیصل تشریف رکھتے تھے۔

پھر اعلیٰ تعلیم کیلئے قم المقدسہ کو روانہ ہو گئے اور وہاں ادبیات کی بڑی کتابیں

حضرت علامه مدرس افغانی رحمة الله علیه

سے پڑھیں اور " فلسفه" کی کتب کو استاد

آقای فیاضی صاحب

سے پڑھیں اور "اصول فقہ" کو اپنے استاد بزرگوار حضرت آیة الله سید

محسن خرازی دام ظله

اور آیت الله أقای صالحی افغانی دام ظله سے پڑھی.

اور شرح لمعہ حضرت آیة الله آقای وجدانی فخر رحمة الله

علیه سے پڑھی۔

"شرح لمعه" کی کچھ کتابیں

حضرت آیة الله آقای شب زنده دار دام ظله

سے پڑھیں۔

رسائل استاد اعظم حضرت آیة الله اعتمادی دام ظله

سے پڑھی اور پوری رسائل کے دروس کی تقریرات کو موصوف نے لکھ لیا اور

اس پر ان کے استاد حضرت آیۃ اللہ علامہ اعتمادی دام ظلہ نے تقریظ بھی لکھی ہے۔

"مکاسب "سماحۃ حضرت آیة الله آقای پایانی" کے پاس پڑھی۔

"کفایة الاصول" جلد اول سماحۃ علامہ اعتمادی سے پڑھی اور دروس کی

تقریرات بھی لکھیں۔

تقریرات بھی لکھیں۔

کفایۃ الاصول کی جلد ثانی

سماحہ عالم ورع آیۃ اللہ آقای ستودہؒ صاحب سے پڑھی۔

''تھذیبِ نفس'' کیلئے سماحہ عالم ربانی

آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد حسن مرتضوی لنگرودی اعلی اللہ مقامہ

کے درس اخلاق میں شرکت کرتے رہے۔

دروسِ سطح کو تمام کرنے کے بعد علامہ شیرازی صاحب درس خارج میں شرکت کرنے لگے۔ خارجِ اصول اور خارجِ فقہ میں انہوں نے درج ذیل آیاتِ عظام سے استفادہ کیا۔

﴿۱﴾ دورہَ خارج اصول کامل و خارج فقہ از حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقای وحید خراسانی مدظلہ

﴿۲﴾ دورہَ خارج اصول بحث الفاظ و خارج فقہ بحث وضو و کتاب الشھادات کامل از حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقای جواد تبریزی اعلی اللہ مقامہ

﴿۳﴾ دورہَ خارجِ اصول کامل و خارج فقہ، مکاسب محرمہ، صلاۃ المسافر، کتاب الخمس کامل و کتاب الحدود از حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقای ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ

﴿۴﴾ خارج فقہ: کتاب الطہارۃ بحث نجاسات از حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ

آقای صالحی مازندرانی اعلی اللہ مقامہ

﴿۵﴾ خارج فقہ: کتاب الصلاۃ بحث اوقات نوافل و کتاب الزکوٰۃ از حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقای علوی گرگانی مدظلہ

﴿۶﴾ خارج فقہ: کتاب الصوم کامل و کتاب الحج از حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقای ابوالقاسم کوکبی تبریزی اعلی اللہ مقامہ

﴿۷﴾ خارج فقہ: از حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقای صافی گلپایگانی مدظلہ و از اساتید دیگر۔

مذکورہ فقہ اور اصول کے تمام دروس کتبی صورت میں علامہ موصوف کے پاس محفوظ ہیں۔

﴿۸﴾ تنقیح مبانی از حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقای سید محمد مفتی الشیعہ مدظلہ۔

مختلف موضوعات کی تحقیق کے سلسلے میں انہوں نے حضرت آیۃ اللہ مصطفیٰ نورانی اعلی اللہ مقامہ اور دیگر اساتید حوزہ سے استفادہ کیا۔

علامہ شیرازی حوزہ علمیہ قم المشرفہ میں عرصہ سے ادبیات اور اصول وفقہ پڑھا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مناظرہ بھی پڑھاتے ہیں۔ علامہ شیرازی صاحب مُلک کے کئی علاقوں میں دورۂ تبلیغ فرما چکے ہیں اور ان کی تبلیغ سے کچھ لوگ مذہب حقہ میں داخل ہو چکے ہیں۔

علامہ شیرازی متعدد علمی اور تحقیقی کتابیں اور رسالے لکھ چکے ہیں نیز کئی ایک عشرۂ محرم الحرام کی مجالس بھی پڑھ چکے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ موصوف عمدہ محقق، مدرس، مؤلف، مصنف، مقرر، مجاہد مناظر اور جلیل القدر عالم دین ہیں۔

خداوندِ متعال بحقِ معصومین علیہم السلام ان کا سایہ دراز فرمائے اور تشنگانِ علم کو ان سے سیراب ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ملت کو علماء دین کی قدردانی کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

ناظم مؤسسہ

٩٥١٥

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم و لہ الحمد.

جیسا کہ سب مسلمانوں پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہم سب کو قرآن اور رسول خداؐ کے اُسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا حکم ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں احکام خدا پر عمل کر کے دکھایا ہے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ان کے کئی ایک اعمال واقوال اور دیگر کئی ایک حقائق پر پردے ڈال دئے گئے ہیں، ہم نے اس کتاب میں، اہل سنت اور شیعہ کے درمیان بعض اختلافی مسائل پر علمی اور تحقیقی حوالے سے بحث کی ہے تاکہ منصف مزاج لوگوں کے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو جائے کہ حق مسئلہ کیا ہے۔

اس کتاب کے امتیازات میں سے چند امتیاز یہ ہیں:

ا۔ یہ کتاب تحقیق پر مبنی ہے، اور مولفین کے بارے میں غلیظ عبارات اور ان پر کیچڑ اچھالنے سے مبرّا ہے، دور حاضر میں صاحبان تحقیق کے لئے ایسی کتاب کی اشد ضرورت تھی جس کو بحمد اللہ پورا کر دیا گیا ہے۔

۲۔ اس کتاب میں اہل سنت کی معتبر اور مشہور کتب کے حوالہ جات دئے گئے ہیں۔

۳۔ یہ کتاب ہر طبقہ کے افراد کے لئے قابل استفادہ ہے، اور فن مناظرہ

میں صاحبان فضل کے لئے استاد اور راہنما کی حیثیت رکھتی ہے، چونکہ اس کتاب میں بہت مہم اور محل ابتلاء مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ لہٰذا اس کتاب کا ہر مومن کے گھر ہونا ضروری ہے، بالخصوص دینی مدارس اور حوزہ ہای علمیہ میں اس پر خصوصی توجہ وقت کی اہم ضرورت ہے، کمالا یخفیٰ۔

۴۔ آپ کو یہ کتاب فن مناظرہ میں جن مسائل پر بحث کی گئی ہے، دیگر کئی ایک کتب سے بے نیاز کردے گی، اگرچہ یہ کتاب کم حجم ہے لیکن پُر معنی ہے، اس کے کئی ایک ابواب میں تفصیلا بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب ۹/ابواب پر مشتمل ہے: باب اول در وضوء النبیؑ۔ باب دوم صلوۃ النبیؑ۔ باب سوم در تکبیرات الجنازۃ، باب چہارم در نکاح متعہ۔ باب پنجم در تقیہ، باب ششم در مسئلہ فدک۔ باب ہفتم در مسئلہ بنات پیغمبر۔ باب ہشتم در عقد ام کلثوم۔ باب نہم در عزاداری امام حسین علیہ السلام۔

کتاب ہذا کو انصاف کی نگاہ سے پڑھیں چونکہ تعصب اور ہٹ دھرمی کی صورت میں انسان حق سے دور رہتا ہے۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ خداوند عالم بحق محمد و آل محمد علیہم السلام سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

خادم علوم آل محمد سید مظہر علی شیرازی

۱۵/شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

حوزہ علمیہ قم المقدسہ

باب اول

در وضوء النبیؐ

ہمارے نبی کا وضو

جیسا کہ مخفی نہیں ہے کہ سب مسلمانوں پر نمازِ پنجگانہ کی ادائیگی فرض ہے اور نماز کی ادائیگی وضو کے بغیر صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح غلط وضو کے ساتھ بھی نماز صحیح نہیں ہے۔ اگر وضو قرآن مجید اور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نہ کیا جائے تو نماز جیسی عظیم عبادت اور دیگر وہ عبادات جن کی صحت میں وضو شرط ہے، قبول نہیں ہوں گی۔

اہل سنت اور شیعہ حضرات کے درمیان وضو کے طریقہ کار میں نزاع ہے۔ اہل سنت حضرات وضو میں پاؤں کو دھوتے ہیں اور شیعہ حضرات پاؤں کا مسح کرتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کس چیز کا حکم دیتا ہے اور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے۔ ہم نے قرآن مجید کے حکم اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بزرگانِ دین کے عمل اور فرامین کو اہل سنت حضرات کی معتبر کتب سے پیش کیا ہے۔ اس باب میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا حکم، وضو میں پاؤں کے مسح کا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسح کرتے تھے نیز بزگانِ دین بھی مسح ہی کیا کرتے تھے۔

دعا گو ہوں کہ:

خداوندِ متعال بحقِ محمد و آلِ محمد سب مسلمانوں کو قرآن اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق وضو کرنے کی توفیق نصیب فرمائے!

چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس کی نماز قبول ہوگئی اس کے سب عمل قبول ہو جائیں گے اور جس کی نماز رد ہوگئی، اس کے سب اعمال رد ہو جائیں گے۔ یاد رہے نماز تب ہی قبول ہوگی جب وضو قرآن مجید کے حکم کے مطابق کیا جائے۔

اس باب میں وضو کے بارے میں ہم نے اہل سنت حضرات کے معظم شبہات کے تحقیقی جوابات دیے ہیں جن سے دیگر کئی ایک ضمنی شبہات کے حل کے لیے محققین اور مناظرین مدد حاصل کر سکتے ہیں۔

آغازِ بحث

وضو کے بارے میں حکمِ قرآن:

وضو کا وہی طریقہ صحیح ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم دیا ہے۔

آیتِ وضو:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ(۱)

ترجمہ:

"اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے آمادہ ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھولیا کرو اور سروں اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرلیا کرو۔"

نوٹ: اہل سنت کے مشہور و معروف مترجمِ قرآن شاہ رفیع الدین نے بھی اسی طرح صحیح ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ نئے ایڈیشن خیانت سے خالی نہیں ہیں۔

---

(۱) سورہ مائدہ، آیت ۶ .

وضو کے بارے میں فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اخرج ابن ماجة بِسَنَدِهٖ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيٰى خلاد عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَمِّهٖ رَفَاعَةِ بْنِ رَافِعٍ اَنَّهٗ كَانَ جَالِساً عِنْدَ النَّبِيِّ (صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ) فَقَالَ: اِنَّهَا لَا تَتِمُّ صَلٰوةٌ لِاَحَدٍ حَتّٰى يَسْبِغَ الْوُضُوْءُ كَمَا اَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَغْسِلُ وَجْهَهٗ وَ يَدَيْهِ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ يَمْسَحُ بِرَأْسِهٖ وَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ. (۱)

رفاعہ بن رافع کا بیان ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''کسی کی نماز کامل نہیں حتی کہ وضو اس طرح کرے جس طرح اللہ نے (قرآن) میں حکم دیا ہے۔ چہرے کو دھوئے اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور اپنے سر کا مسح کرے اور پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے۔''

---

(۱) ﴿۱﴾ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ باب صلاۃ من لا یقم صلبه فی الرکوع والسجود جزء ۱، صفحه ۲۲۷، طبع بیروت.

﴿۲﴾ سنن ابن ماجه ص ۳۶، طبع کراچی.

﴿۳﴾ المحلی جلد ۱، ص ۳۰۱، مسئله نمبر ۲۰۰.

﴿۴﴾ تفسیر دُرِّ منثور جلد ۲، ص ۲۶۲، طبع بیروت.

تنبیہ اول:

محققین اور مناظرین پر مخفی نہ رہے کہ یہاں بعض اہل سنت تأویلات میں پڑ جاتے ہیں کہ مسح صدر اسلام میں تھا اور بعد میں یہ نسخ ہو گیا۔ حالانکہ سورۂ مائدہ آخری سورہ ہے اور اس میں سے کوئی چیز نسخ نہیں ہوئی۔ اہل سنت کے محقق مفسرین کی تصریحات موجود ہیں۔

اَخرَجَ الُقُرطَبِی بِسَنَدِہٖ عَنُ اَبِیُ مَیُسَرَۃٍ اَنَّہٗ قَالَ : اَلُمَآئِدَۃُ مِنُ آخِرِ مَا نزلَ . لَیُسَ فِیُھَا مَنُسُوُخٌ .

ابی میسرہ فرماتے ہیں:

''مائدہ آخری سورہ ہے جس میں کوئی چیز منسوخ نہیں ہوئی ہے۔''(۱)

نیز

عَنُ اَبِیُ مَیُسَرَۃٍ عَمرٍو بُنِ شرجیل قَالَ : لَمُ یُنُسَخُ مِنَ الُمَآئِدَۃِ شَیُئٌ .

''ابی میسرہ کا بیان ہے کہ سورۂ مائدہ سے کوئی چیز نسخ نہیں ہوئی۔''(۲)

تنبیہ دوم:

مخفی نہ رہے کہ سورۂ مائدہ سے آیت وضو میں مسح نسخ نہیں ہوا۔ اس سورہ

---

(۱) تفسیر قرطبی جلد ۶، ص ۳۰ و ۳۱

(۲) تفسیر در منثور علامہ جلال الدین سیوطی جلد ۲، صفحہ ۲۵۲

سے دوسری دو آیات کے نسخ کے بارے میں جو روایات اہل سنت نے نقل کی ہیں، بنا بر صحت بھی وہ محل شاہد میں مضر نہیں ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں پاؤں کے مسح کا حکم صراحت کے ساتھ موجود ہے تو بعض اہل سنت اپنے وضو کی تصحیح کے لیے تأویلات کرنے لگ جاتے ہیں کہ اگرچہ قرآن میں قدموں کے مسح کا حکم ہے لیکن قدموں کو دھونا سنت سے ہے۔ حالانکہ ارباب فہم پر مخفی نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

گذشتہ حوالہ میں گذر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کسی کی نماز اس وقت تک کامل نہیں جب تک وہ وضو ایسے نہ کرلے جس طرح خدا نے قرآن میں فرمایا ہے۔''

اور خدا نے قرآن مجید میں پاؤں کے مسح کا حکم دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی عمل کرتے ہیں جس کا حکم خدا نے قرآن مجید میں دیا ہو اور قرآن مجید میں پاؤں کے مسح کا حکم ہے، دھونے کا نہیں۔

یاد رہے کہ نماز جیسی عظیم عبادت اس وقت قبول ہوگی جب وضو قرآن کے مطابق ہوگا۔ جب وضو ہی قرآن کے حکم کے مطابق نہ کیا جائے تو عبادت بھی قبول نہیں ہوگی۔ خداوندِ متعال بحق محمد وآل محمد علیہم السلام سب کو حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے!

تنبیہ سوم:

اہل سنت کے بعض علماء نے اپنی تحریروں میں زور لگایا ہے کہ تمام فقہاء کا فتوی پاؤں کے دھونے پر رہا ہے نیز صحابہ کا اجماع پاؤں کے دھونے پر ہے۔ یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دینے والی بات ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ فتوی قابل قبول ہے جو کہ قرآن کے مطابق ہو۔ چونکہ احکام الٰہیہ کیلئے منبعِ اصلی قرآن مجید ہے۔ اور جو فتوی قرآن کے مخالف ہو اس فتوی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ رہی بات صحابہ کے اجماع کی تو اولاً صحابہ کا اجماع ثابت نہیں ہے۔

چونکہ حضرت علی علیہ السلام، ابن عباسؓ اور انسؓ جیسے صحابی پاؤں کے مسح کو واجب سمجھتے تھے و ثانیاً پاؤں دھونے والے صحابہ کا اجماع ثابت بھی ہو تو وہ مخالف قرآن ہے اور قرآن کے مقابلے میں کسی اجماع کی کوئی قیمت نہیں ہے اور قرآن میں پاؤں کے مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔

تنبیہ چہارم:

بعض علماء اہل سنت کا خیال ہے کہ مکلّف کو تخییر ہے کہ چاہے تو وضو میں پاؤں دھولے اور چاہے تو مسح کرلے۔ حالانکہ قرآن مجید اور عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پاؤں کے مسح کا تعین ثابت ہے اور تخییر پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو

قَالَ الشَّوْكَانِي اَخْرَجَ الطِّبْرَانِي عَنْ عَبَادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ : رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَ سَلَّمَ يَتَوَضَّأُ وَ يَمْسَحُ عَلٰى رِجْلَيْهِ . (۱)

"عباد بن تمیم اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا اور انہوں نے پاؤں کا مسح کیا۔"

نوٹ :

عباد بن تمیم ثقہ راوی ہے:

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاق وَالنِّسَآئِي ثِقَةٌ وَ ذَكَرَهُ ابْنُ حَبَانٍ فِي الثِّقَاتِ . (۲)

محمد بن اسحاق اور نسائی نے اسے ثقہ کہا ہے اور ابن جبان نے بھی اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

﴿۱﴾ ملاحظہ ہو اہل سنت کی معتبر کتاب "نیل الاوطار" جلد ۱، ص ۱۹۹، طبع مصر.

کنز العمال جلد ۹، ص ۴۲۹، حدیث : ۲۶۸۲۲.

و کتب دیگر.

(۲) تہذیب التہذیب جلد ۵، صفحہ ۹۰، ۹۱

نوٹ : اہل سنت کی بعض روایات میں:

﴿ مَسَحَ الْمَآءَ عَلٰی لِحْیَتِہٖ وَ رِجْلَیْہِ ﴾

نقل ہوا ہے حالانکہ یہ لفظ "لحیہ" اصل حدیث میں موجود نہیں ہے۔

اصل حدیث کو مسند احمد جلد ۴، ص ۴۰، طبع دار صادر بیروت میں ملاحظہ فرمائیں جس میں یہ لفظ نہیں ہے۔ فافھم!

نیز مخفی نہ رہے کہ اہل سنت کی بعض روایات میں ﴿ مَسَحَ عَلٰی نَعْلَیْہِ وَ قَدَمَیْہِ ﴾

نقل ہوا ہے۔ تو یہ بھی محل شاہد میں بناء بر صحت روایت مضر نہیں ہے۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نعلین اس طرح کی ہوتی تھی کہ اس پر مسح جو کرتا تو قدموں پر مسح ہو جاتا تھا۔ یعنی وہ نعلین مسح سے مانع نہیں تھی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو حضرت علی علیہ السلام کی زبانی

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا مُخْتَارٍ عَنْ اَبِیْ مطر قَالَ بَیْنَا نَحْنُ جُلُوس مَعَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیٍّ فِی الْمَسْجِدِ عَلٰی بَابِ الرَّحْمَةِ. جَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ: أَرِنِیْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللهِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ) وَهُوَ عِنْدَ الزَّوَالِ فَدَعَا قَنْبَرَ فَقَالَ: آتِنِیْ بِکوز مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ کَفَّیْهِ وَ وَجْهَهُ وَ غَسَلَ ذِرَاعَیْهِ وَ مَسَحَ رَأْسَهُ وَاحِدَةً وَ رِجْلَیْهِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ. ثُمَّ قَالَ: أَیْنَ السَّائِلُ عَنْ وُضُوْءِ رَسُوْلِ اللهِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ) کَذَا

كَانَ وُضُوءُ نَبِيِّ اللهِ (ص). (۱)

ملخص :

ابی مطر کا بیان ہے کہ ہم امیر المومنین علی علیہ السلام کے پاس مسجد میں بیٹھے تھے۔ ایک آدمی آیا۔ اس نے عرض کیا۔ آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو دکھائیں۔ آپ نے قنبرؓ کو بلایا اور پانی کا کوزہ لانے کا حکم دیا۔ آنجناب نے ہتھیلیوں کو دھویا اور چہرہ اور ہاتھوں کو دھویا۔ سر کا مسح کیا اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کیا۔

پھر فرمایا:

سوال کرنے والا کہاں ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے بارے میں سوال کیا تھا (تو فرمایا) اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو تھا۔

نوٹ :

ابومطر کے بارے میں بعض اہل سنت کا یہ کہنا کہ وہ مجہول ہے۔ یہ قول صحیح نہیں ہے۔ چونکہ ابومطر کا ذکر تہذیب التہذیب جلد ۱۲، صفحہ ۲۳۸ پر آیا ہے۔

﴿ ذَكَرَهُ ابْنُ حَبَانٍ فِي الثِّقَاتِ ﴾

"ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔"

---

(۱) مسند احمد جلد ۲، ص ۱۳۵۷، حدیث : ۱۳۵۵

حضرت علی علیہ السلام وضو میں پاؤں کا مسح کرتے تھے:

﴿ اَخْرَجَ اَحْمَدُ بِسَنَدِہٖ عَنْ سُفْیَانٍ عَنْ عَبْدِ خَیْرٍ قَالَ : رَأَیْتُ عَلِیّاً تَوَضّأَ فَمَسَحَ ظُھُوْرَھُمَا ﴾ (۱)

"عبد خیر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کو وضو کرتے دیکھا تو انہوں نے پاؤں کے ظاہر کا مسح کیا۔

نوٹ :

عبد خیر تابعی ہے اور ثقہ ہے۔ (۲)

وَ ذَکَرَہٗ عَبْدُ الْبِرِّ وَ غَیْرُہٗ فِی الصَّحَابَۃِ لَا دراکہ وَ ذَکَرَہٗ ابْنُ حَبَانٍ فِی ثِقَاتِ التَّابِعِیْنَ .

ابن عبد البر وغیرہ نے عبد خیر کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ تابعین میں ذکر کیا ہے۔

عبد خیر صحابی ہو یا تابعی بہر حال ثقہ ہے۔

---

(۱) مسند احمد جلد ۱ ، ص ۱۲۴ ، منقول از "اَلْوُضُوْءُ فِی الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ".

(۲) تھذیب التھذیب جلد ٦ ، ص ۱۲۴ ، طبع مصر .

حضرت علی علیہ السلام، ابن عباس رض اور انس رض کے نزدیک وضو میں پاؤں

کا مسح واجب ہے۔

(قَالَ النووی اِختَلَفَ النَّاسُ عَلٰی مَذَاهِبَ .....)

اہل سنت کے علامہ نووی کہتے ہیں کہ وضو میں پاؤں کے حکم کے بارے

میں لوگوں کے کئی ایک مذاہب ہیں۔

اور حضرت علی علیہ السلام، حضرت ابن عباس اور حضرت انس سے ثابت ہے کہ وضو

میں پاؤں کا مسح واجب ہے نہ کہ ان کا دھونا۔

نوٹ :

حضرت علی علیہ السلام اہل بیتِ نبوت علیہم السلام میں سے ہیں۔

﴿ وَ اَهلُ البَیتِ اَدرٰی بِمَا فِیهِ ﴾

''اور گھر والے بہتر جانتے ہیں جو کچھ اس میں ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں فرمایا:

﴿ عَلِیٌّ مَعَ الحَقِّ وَ الحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ ﴾ (۱)

حق، علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور علی علیہ السلام حق کے ساتھ ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کا قول اور عمل وضو میں پاؤں کے مسح کا ہے۔ بفرمان سید

---

(۱) تاریخ دمشق جلد ۳، صفحہ ۱۵۳، حافظ ابن عساکر و کتب دیگر

الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق، علی علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ پس وضو میں پاؤں کا مسح کرنا حق ہے۔

نیز مخفی نہ رہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿ اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا فَمَنْ اَرَادَ الْمَدِيْنَةَ فَلْيَأْتِهَا مِنْ بَابِهَا ﴾ (۱)

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ پس جو شخص شہر کا ارادہ کرے، اسے دروازہ سے آنا چاہیے۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ اَعْلَمُ اُمَّتِیْ بَعْدِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ ﴾ (۲)

"میری امت میں میرے بعد سب سے زیادہ علم رکھنے والے حضرت علی علیہ السلام ہیں۔"

مخفی نہ رہے۔ جو سب سے بڑا عالم ہو اسی کا قول اور عمل قابل اتباع ہوتا ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں فرمایا:

﴿ عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ ﴾ (۳)

---

(۱) کفایۃ الطالب فی مناقب علی بن ابی طالبؑ صفحہ ۲۲۰، باب ۵۸، و کتب دیگر

(۲) کفایۃ الطالب ص ۳۳۲، باب ۹۴، و کتب دیگر.

(۳) تاریخ الخلفاء، سیوطی صفحہ ۹۳، طبع مصر و کتب دیگر.

"حضرت علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی علیہ السلام کے ساتھ ہے۔"

پس نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے حکم کو سب سے بہتر حضرت علی علیہ السلام جانتے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کا نظریہ اور عمل وضو میں پاؤں کے مسح کا تھا۔ مخفی نہ رہے۔ تمام مسلمانوں کیلئے صحابہ میں سے قدرِ متیقن حضرت علی علیہ السلام کا قول و فعل حجت ہے۔ چونکہ وہ شیعہ حضرات کے پہلے امام ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ بلا فصل ہیں۔ اور اہل سنت حضرات کے نزدیک وہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ پس سب کے نزدیک قدرِ متیقن ان کا قول و فعل حجت ہوا اور حضرت علی علیہ السلام کا قول و فعل وضو میں پاؤں کے مسح کا ہے پس وضو میں پاؤں کا مسح واجب ہے نہ کہ دھونا۔

نوٹ:

بعض اہل سنت کے علماء کا یہ کہنا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اگرچہ پاؤں کا مسح کرتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے اس عمل سے رجوع کرلیا۔ یعنی پھر دھونا شروع کر دیا۔ یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی عمل یا فتوی سے رجوع وہاں ہوتا ہے جہاں انسان اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرتا ہو یا کسی دوسرے مجتہد کی تقلید میں ہو تو اس کا فتوی بدل جائے یا مقلد کسی اور کی طرف رجوع کرلے۔ حضرت علی علیہ السلام کی طرف یہ نسبت دینا کہ انہوں نے پاؤں کے مسح سے رجوع کرلیا تھا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اپنی زندگی کے اواخر میں پاؤں کو دھونا شروع کر دیا تھا۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام نے وضو کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا تھا۔ جیسا کہ روایت میں ہے:

﴿فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَ وَجْهَهُ وَ ذِرَاعَيْهِ وَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَ رِجْلَيْهِ وَ قَالَ : هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ فَعَلَ﴾ (۱)

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وضو سیکھ کر پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ سے پھر جائیں۔ عملِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کے بعد اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

ثانیاً حضرت علی علیہ السلام نے حکم قرآن کو جو سمجھا تھا اسی پر عمل کرتے تھے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام قرآن کے سمجھنے میں خطاء نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسح سے دھونے کی طرف رجوع کرنے والی بات غلط ہے۔

عظمتِ ابن عباس

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : ضَمَّنِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ اِلٰى صَدْرِهٖ وَ قَالَ : اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ . (۲)

ابن عباس فرماتے ہیں:

---

(۱) احکام القرآن جلد ۱ ص ۳۴۷ منقول از : الوضوء فی الکتاب والسنة

(۲) ﴿۱﴾ صحیح بخاری جلد ۱ ، ص ۵۳۱ ، طبع کراچی .

﴿۲﴾ سنن ترمذی جلد ۲ ، ص ۲۴۶ .

﴿۳﴾ الاتقان سیوطی جلد ۲ ، ص ۱۸۷ ، طبع لاہور .

﴿۴﴾ مشکوٰۃ شریف ، باب مناقب اہل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

﴿۵﴾ و کتب دیگر .

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو سینے سے لگا کر فرمایا:

یا اللہ! اس کو حکمت سکھا دے۔

وَ قَالَ : اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یا اللہ! اسے قرآن کا علم دے۔

عَنْ مُجَاهِدٍ ، قَالَ : قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ) : نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْآنِ اَنْتَ . (۲)

مجاہد سے روایت ہے۔ اس نے کہا: ابن عباس کہتے ہیں: مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو بہت اچھا مفسر قرآن ہے۔

اَخْرَجَ الْبَيْهَقِیْ فِی الدَّلَائِلِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ، قَالَ : نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْآنِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ .

ابن مسعود فرماتے ہیں:

بہت اچھے مفسر قرآن عبد اللہ بن عباس ہیں!

---

(۱) بخاری شریف

(۲) الاتقان جلد ۲ ، ص ۱۸۷

(۳) ﴿۱﴾ فتح الباری جلد ۷ ، صفحہ ۱۲۶ ، طبع مصر .

﴿۲﴾ الاتقان جلد ۲، صفحہ ۱۸۷ .

اَخْرَجَ اَبُوْنَعِیْمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ ، قَالَ : كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یُسَمَّی الْبَحْرُ لِكَثْرَةِ عِلْمِهٖ .(۱)

مجاہد فرماتے ہیں:

ابن عباس کوان کے کثرتِ علم کی وجہ سے ''بحر''یعنی ''سمندر'' کہا جاتا تھا۔

ابن حنفیہ سے منقول ہے۔وہ فرماتے تھے:

''ابن عباس اس امت کے ''حِبرؔ''یعنی (بہت بڑے عالم) ہیں۔''(۲)

نتیجہٗ بحث یہ نکلا کہ قرآن مجید کو صحابہ میں سے حضرت علی علیہ السلام اور پھران کے بعد ابن عباسؓ سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا؛ اور حضرت علی علیہ السلام اور ابن عباس وضو میں،قرآن سے پاؤں کے مسح کو واجب سمجھتے تھے،اگر باقی سب صحابہ اتفاق نظر بھی کرلیں تو حضرت علی علیہ السلام اور ابن عباسؓ جیسی عظیم شخصیات کے مقابلہ میں ان کا قول مرجوح ہے۔اہل سنت کے دوسرے خلیفہٗ راشد کا قول جو بار باران سے سنا گیا:

﴿ لَوْ لَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ ﴾

''اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''

جب عمر کی علمی مشکلات کو حضرت علی علیہ السلام حل کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام کا قول صحابہ پر مقدم ہے۔

---

(۱) الاتقان جلد ۲، ص ۸۷.

(۲) الاتقان

حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ : اَلْوُضُوْءُ غَسْلَتَانِ وَ مَسْحَتَانِ (۱)

''ابن عباس نے فرمایا: وضو میں دو دو دھونے اور دو مسح ہیں۔''

اَخْرَجَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَ عَبْدُ بْنُ حَمِيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: اِفْتَرَضَ اللّٰهُ غَسْلَتَيْنِ وَ مَسْحَتَيْنِ. اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ ذَكَرَ التَّيَمُّمَ فَجَعَلَ مَكَانَ الْغَسْلَتَيْنِ مَسْحَتَيْنِ وَ تَرَكَ الْمَسْحَتَيْنِ (۲)

ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے وضو میں دو دھونے اور دو مسحوں کو فرض کیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس نے تیمّم کو ذکر کیا ہے اور دو دھونے کی جگہ دو مسح کو قرار دیا ہے اور مسح کی جگہ کو چھوڑ دیا ہے۔

---

(۱) ﴿۱﴾ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ، ص ۲۷
﴿۲﴾ تفسیر مظھری بحث آیت وضو
﴿۳﴾ تفسیر قرطبی جلد ۳ ، ص ۹۲
﴿۴﴾ تفسیر قاسمی جلد ۶ ، ص ۱۱۱
﴿۵﴾ المصنف جلد ۱ ، ص ۱۹ ، تالیف حافظ ابی بکر عبد الرزاق بن همام الصنعانی
﴿۶﴾ تفسیر در منثور جلد ۲ ، ص ۲۶۲ ، طبع دار المعرفه بیروت
﴿۷﴾ و کتب دیگر

(۲) تفسیر در منثور جلد ۲ ، ص ۶۲

فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : اِنَّ النَّاسَ اَبَوْا اِلَّا الْغَسْلَ وَ لَا اَجِدُ فِی كِتَابِ اللهِ اِلَّا الْمَسْحَ . (۱)

ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: لوگ (وضو میں پاؤں کے) دھونے کے علاوہ انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ میں کتابِ خدا میں سوائے مسح کے اور نہیں پاتا۔ یعنی قرآنِ پاک وضو میں پاؤں کے مسح کا حکم دیتا ہے۔

نتیجۂ بحث یہ نکلا کہ قرآن کے عظیم مفسر حضرت ابنِ عباسؓ، وضو میں پاؤں کا مسح واجب سمجھتے تھے اور اسی پر ان کا عمل رہا۔ یاد رہے! صحابہ میں تفسیری اختلاف کی صورت میں ابن عباس کا قول مقدم ہے۔ اس کا اعتراف اہل سنت بھی کرتے ہیں۔ (۲)

اِنْ تَعَارَضَتْ اَقْوَالُ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فَاِنْ اَمْكَنَ الْجَمْعُ فَذَاكَ . وَ اِنْ تَعَذَّرَ قُدِّمَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ بَشَّرَهٗ بِذٰلِكَ حَيْثُ قَالَ : اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ .

اگر صحابہ کے اقوال متعارض ہو جائیں تو اگر ان میں جمع ممکن ہو تو بہتر اور اگر جمع ممکن نہ ہو تو ابن عباس کا قول مقدم ہوگا۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بشارت دی تھی (اور ان کے لیے دعا فرمائی) کہ: "خدایا! ان کو علمِ تاویل عطا فرما۔"

---

(۱) ﴿۱﴾ سنن ابن ماجه ص ۳۶ ، طبع کراچی .

﴿۲﴾ تفسیر در منثور جلد ۲ ، ص ۲۶۲ ، طبع بیروت

(۲) الاتقان جلد ۲ ، ص ۱۸۳ ، نوع نمبر ۷۸ ، طبع لاهور

حضرت اَنَس رضی اللہ عنہ صحابی کا بیان

اَخرَجَ ابنُ کَثِیرٍ بِسَنَدِهٖ عَنْ عَاصِمِ الاحول عَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ:

نَزَلَ الْقُرآنُ بِالْمَسْحِ. (۱)

اَنَس رضی اللہ عنہ صحابی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: قرآن مسح کا حکم لے کر نازل ہوا۔ یعنی وضو میں پاؤں کے مسح کا حکم (قرآن مجید میں) فرض نازل ہوا ہے۔

نوٹ نمبر ۱:

اَنَس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دس سال خادم بھی رہے ہیں۔ ظاہر ہے اَنَس رضی اللہ عنہ صحابی نے یہ نظریہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی لیا تھا۔ روایت کے آخر میں یہ لکھنا کہ "لیکن دھونا سنت ہے" ـــــــ صحیح نہیں ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے حکم کے مطابق ہی عمل کرتے تھے۔ قرآن میں "پاؤں کا مسح" تو فرض کہا گیا ہے۔ واجب چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ترک کر سکتے ہیں؟ (۲)

نوٹ نمبر ۲:

مناظرین اور محققین پر مخفی نہ رہے کہ وضو میں حجاج کا پاؤں دھونے کا حکم دینا اور حضرت اَنَس رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ "خدا کا فرمان سچا اور حجاج جھوٹا ہے اور خدا نے قرآن میں پاؤں کے مسح حکم دیا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل کو تفسیر قرطبی جلد ۳، ص ۹۲، تفسیر

---

(۱) تفسیر ابن کثیر جلد ۲، ص ۲۷.

(۲) مقام میں تخصیص کا توہم نہ کیا جائے چونکہ تخصیص اور حکم کا سرے سے تغیر کر جانے میں واضح فرق، معلوم ہے، فافہم جیداً۔

القاسمی المسمی محاسن التاویل جلد ۶ ،ص ۱۱۱ ،طبع بیروت اور دیگر کتب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اہل سنت کے تیسرے خلیفہ ''عثمان بن عفان'' کا وضو

عَنْ حُمْرَانَ ، قَالَ : دَعَا عُثْمَانُ بِمَآءٍ فَتَوَضَّأَ،ثُمَّ ضَحِکَ ، فَقَالَ :اَلا تَسْأَلُوْنِیْ لِمَاذَا اَضْحَکُ. قَالُوْا : يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَا اَضْحَکَکَ ؟ قَالَ : رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ تَوَضَّأَ كَمَا تَوَضَّأْتُ فَتَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلاثاً وَ يَدَيْهِ ثَلاثاً وَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَ ظَهْرِ قَدَمَيْهِ . (۱)

حمران کا بیان ہے کہ حضرت عثمان نے پانی منگوایا، وضو کیا، پھر ہنسے اور کہا: تم مجھ سے سوال نہیں کرتے کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں؟

انہوں نے کہا: اے امیر المومنین! کس چیز نے تمہیں ہنسایا ہے؟

تو اس نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح دیکھا ہے جس طرح میں نے وضو کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سرِ مبارک اور دونوں قدموں کے اوپر مسح کیا۔

---

(۱) ﴿۱﴾ کنز العمال جلد ۵ ، ص ۱۰۴ ، حدیث نمبر ۲۲۳۴
﴿۲﴾ مسند احمد جلد ۱ ، ص ۵۸

نوٹ:
اہل سنت کے تیسرے خلیفۂ راشد نے گواہی دی ہے کہ حضور ﷺ وضو میں پاؤں کا مسح کرتے تھے۔ اہل سنت کو کم سے کم حضرت عثمان کی گواہی کو تو ضرور قبول کر لینا چاہیے۔
اہل سنت کی بعض روایات میں ہے کہ وضو کرنے کے بعد حضرت عثمان نے پوچھا: أَکَذٰلِکَ ؟ قَالُوْا : نَعَمْ !
کیا اسی طرح حضور ﷺ وضو کرتے تھے؟
صحابہ نے کہا: جی ہاں!
یہاں صحابہ نے بھی تصدیق کر دی ہے کہ حضور ﷺ وضو میں پاؤں کا مسح کرتے تھے۔(۱)

شعبی کا فتویٰ

قَالَ السُّیُوْطِی : اَخْرَجَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ (فِیْ جَامِعِہٖ) وَابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ (فِیْ سُنَنِہٖ)وَ عَبْدُ ابْنُ حَمِیْدٍ (فِیْ مُصَنَّفِہٖ) وَابْنُ جَرِیْرٍ (فِیْ تَفْسِیْرِہٖ) عَنِ الشَّعْبِی (اَنَّہٗ) قَالَ : نَزَلَ جَبْرَئِیْلُ بِالْمَسْحِ عَلَی الْقَدَمَیْنِ. اَلَا تَرٰی اَنَّ التَّیَمُّمَ اَنْ تُمْسَحَ مَا کَانَ غَسْلاً وَ یُلْغٰی

(۱) مسندِ احمد

مَا كَانَ مَسْحاً . (۱)

شعبی سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: ''حضرت جبرئیلؑ پاؤں کے مسح کا حکم لے کر آئے۔''

کیا تو نہیں دیکھتا کہ بتحقیق تیمّم میں جہاں دھونا تھا، وہاں مسح کیا جاتا ہے اور مسح کی جگہ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

عکرمہ اور قتادہ کا نظریہ

قَالَ الْقُرْطَبِیُ : وَ كَانَ عِكْرِمَة يَمْسَحُ رِجْلَيْهِ وَ قَالَ لَيْسَ فِی الرِّجْلَيْنِ غَسْلٌ . اِنَّمَا نَزَلَ فِيْهَا الْمَسْحُ .وَ قَالَ قَتَادَةُ: اِفْتَرَضَ اللّٰهُ غَسْلَتَيْنِ وَ مَسْحَتَيْنِ . (۲)

''جناب عکرمہ (وضو میں) اپنے پاؤں کا مسح کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:

---

(۱) ﴿۱﴾تفسير القاسمی جلد ٦ ، ص ۱۱۱ ، طبع دار الفكر ، بيروت
﴿۲﴾در منثور جلد ۲ ، ص ۲٦۲
﴿۳﴾و كتب ديگر

(۲) تفسير قرطبی جلد ۳ ، ص ۹۲ ، آيتِ وضو
مختصر تفسير القرآن الكريم للخازن المسمی
'' الباب التأويل فی معانی التنزيل '' جلد ۱ ، ص ۲۹۵

پاؤں کو وضو میں دھونا جائز نہیں ہے۔ پاؤں میں مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔"

قتادہ نے کہا: "وضو میں خدا نے دو دھونے اور دو مسحوں کو فرض کیا ہے۔"

امام محمد باقر علیہ السلام کے نزدیک پاؤں کا مسح واجب ہے

اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِیْ مَسْحِ الرِّجْلَیْنِ وَ غَسْلِهَا . فَنَقَلَ الْقَفَّالُ فِیْ تَفْسِیْرِہٖ عَنِ :

☆ ابْنِ عَبَّاسٍ

☆ وَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

☆ وَ عِكْرِمَةَ

☆ وَالشَّعْبِی

☆وَاَبِیْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ الْبَاقِرِ عَلَیْهِ السَّلَامُ

اِنَّ الْوَاجِبَ فِیْهَا : اَلْمَسْحُ. وَ هُوَ مَذْهَبُ الْاِمَامِیَّةِ مِنَ الشِّیْعَةِ. (۱)

لوگوں نے پاؤں کے مسح اور دھونے کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ قفال نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، اَنَس بن مالک، عکرمہ، شبعی اور امام محمد باقر علیہ السلام سے، جو کہ پاؤں کے مسح کو واجب سمجھتے تھے ـــــــ سے نقل کیا ہے۔

---

(۱) تفسیر کبیر رازی. آیت وضو، مسئلہ نمبر ۳۸ .

اور یہی عقیدہ مذہب امامیہ کا ہے۔

قرآن اور اہل بیت نبی علیہم السلام سے تمسک کا حکم

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ : اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہٖ بَعْدِیْ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ : کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ اَھْلَبَیْتِیْ. وَ لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ. فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلِفُوْنِیْ فِیْھِمَا . (۱)

﴿۱﴾صحیح مسلم جلد ۳ ، ص ۵۲۲ ، طبع کراچی
﴿۲﴾سنن ترمذی جلد ۲ ، ص ۲۴۳
﴿۳﴾صواعق محرقه ، ص ۱۵۰
﴿۴﴾مشکوٰۃ شریف باب مناقب اهلبیتِ نبی ؐ
﴿۵﴾فرائد السمطین جلد ۲ ، ص ۱۴۲ ، طبع بیروت
﴿۶﴾المناقب الثلاثه ، ص ۱۸
﴿۷﴾منصب امامت : اسماعیل دهلوی ، ص ۷۹
﴿۸﴾انساب الاشراف جلد ۲ ، ص ۱۱۲
﴿۹﴾مرقاة شرح مشکوٰۃ جلد ۱۱ ، ص ۳۷۶ ، ۳۸۵ ، طبع ملتان
﴿۱۰﴾مناقب علی ابن ابی طالب ، مغازلی ، ص ۲۳۴
﴿۱۱﴾تفسیر در منثور سیوطی جلد ۶ ، ص ۷ ، طبع بیروت
﴿۱۲﴾احیاء المیت ، سیوطی ص ۴۷ ، طبع بیروت
﴿۱۳﴾کنز العمال جلد ۱ ، ص ۴۴ ، ۴۷
﴿۱۴﴾کفایة الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب + ص ۲۵۹
﴿۱۵﴾تقویة الایمان ص ۱۴۶
(۱۶) و کتب دیگر.

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم نے میرے بعد اس سے تمسک رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ چیز اللہ کی کتاب اور میری عترت اہلبیت علیہم السلام ہے اور یہ جب تک حوضِ کوثر پر میرے پاس نہ پہنچ جائیں گے، ہرگز ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ دیکھو! (اچھی طرح سوچ لو) کہ میرے بعد ان کے ساتھ تمہارا کیا سلوک ہونا چاہیے۔''

نوٹ نمبر ۱ :

ترمذی نے اس حدیث کو حَسَن کہا ہے۔ ابن حجر مکی اپنی کتاب ''صواعقِ محرقہ'' کے صفحہ ۱۵۰ پر اس حدیث شریف کے آخر میں لکھتا ہے کہ:

﴿ وَ سَنَدُهٗ لَا بَأْسَ بِهٖ ﴾

اس حدیث کی سند میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

نیز صفحہ ۱۴۵ پر اس حدیث کو :

﴿ صَحَّ اَنَّهٗ قَالَ ﴾

سے شروع کیا ہے۔

نوٹ نمبر ۲ :

البتہ حدیث ثقلین مختلف طُرُق سے (باختلاف الفاظ) بہت سی کتب میں موجود ہے۔ مخفی نہ رہے کہ حدیثِ ثقلین ''متواتر'' ہے۔

تذکر :

اہلبیتِ نبی علیہم السلام سے حضرت امام علی علیہ السلام اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، وضو میں پاؤں کے مسح کو واجب سمجھتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو قرآن اور اپنی اہلبیت علیہم السلام کے فرامین پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن اور اہلبیت علیہم السلام کا فیصلہ وضو میں پاؤں کے دھونے کا نہیں۔ نیز خاندان رسالت علیہم السلام کے مفسر قرآن ابن عباس کا بھی یہی نظریہ ہے۔

خداوندِ متعال بحق سید الانبیاء سب مسلمانوں کو حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے!

مسلمان بھائیو! وضو کو اس طرح کرنا چاہیے جس طرح خدا نے قرآن میں حکم دیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل علیہم السلام نے وضو کر کے دکھایا ہے۔ جب ان کے طریقہ کے مطابق وضو کیا جائے گا تو تب ہی نماز جیسی عظیم عبادت قبول ہوگی۔ اور اگر خدانخواستہ، وضو کو ان کے طریقہ پر نہ کیا جائے بلکہ الٹا کیا جائے تو نماز قبول نہیں ہوگی۔ لہذا وضو کو صحیح طریقہ سے کرنا چاہیے اور صحیح طریقہ وضو میں پاؤں کا مسح ہے، دھونا نہیں۔

فقہاء کا فتویٰ

مزید تائید:

وَقَالَ رَجُلٌ لِمَطَرِ الْوَرَّاقِ : مَنْ كَانَ يَقُوْلُ : الْمَسْحُ عَلَى

الرِّجْلَيْنِ ؟ فَقَالَ : فُقَهَآءٌ كَثِيْرٌ . (۱)

''ایک شخص نے بزرگ عالم مطر وراق کو کہا: پاؤں کے مسح کا کون کہتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: بہت سے فقہاء کا فتویٰ یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کا مسح کیا جائے۔''

گذشتہ بزرگانِ دین بھی پاؤں کے مسح کے قائل تھے:

قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ كَثِيْرٍ : وَ قَدْ رُوِىَ عَنْ طَائِفَةٍ مِنَ السَّلَفِ : اَلْقَوْلُ بِالْمَسْحِ . (۲)

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: بزرگان کی ایک جماعت پاؤں کے مسح کی قائل تھی۔

سوال: کیا وضو میں گردن کے مسح کا حکم ہے؟

جواب: وضو میں گردن کے مسح کا حکم نہیں ہے۔ اہل سنت کے محقق علامہ نووی فرماتے ہیں:

لَيْسَ هُوَ سُنَّةٌ بَلْ بِدْعَةٌ . (۳)

---

(۱) المصنف جلد ۱ ، ص ۱۹ ، طبع بیروت

(۲) تفسیر قاسمی جلد ۶ ، ص ۱۱۱ ، طبع بیروت

(۳) نیل الاوطار شوکانی ، جلد ۱ ، ص ۱۹۳ ، طبع مصر

ابن قیم جوزیہ کی عبارت:

لَمْ یَصِحُّ عَنْهُ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ) حَدِيثٌ .(۱)

''البتہ گردن کے مسح کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح حدیث نہیں ملتی۔''

سوال: کیا کانوں کا مسح فرض ہے؟

جواب: اہل سنت کے بزرگ عالم ابن حزم فرماتے ہیں:

اَمَّا مَسْحُ الْاُذُنَيْنِ فَلَيْسَا فَرْضاً . لَا هُمَا مِنَ الرَّاسِ لِاَنَّ الْآثَارَ فِيْ ذٰلِكَ وَاهِيَةٌ كُلُّهَا . (۲)

فرماتے ہیں:

کانوں کا مسح فرض نہیں ہے کیونکہ وہ (کان) سر سے نہیں ہیں (سر کا حصہ نہیں ہیں)۔ جو روایات کانوں کے مسح کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ سب واہی (سُست و کمزور) ہیں۔

تذکر:

وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں سے اوپر سے نیچے کی طرف دھویا جائے۔ یہی فطرت اور حکم عقل کا تقاضا ہے۔ آیتِ وضو میں ''اِلٰی''، بمعنی ''مَعَ'' کے ہے نہ کہ انتہا کے معنی میں۔ جیسا کہ:

---

(۱) زاد المعاد هدی خیر العباد، ص ۱۹۵.

(۲) المحلی جلد ۱، ص ۳۰۰، مسئلہ ۱۹۹

لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ. (۱)

''ان یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔''

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو قرآن مجید اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق صحیح وضو کرنے کی توفیق نصیب فرمائے!

آیت وضو کے بارے میں علمی وادبی تحقیق

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ. (۲)

اس آیت میں ایک ''فاغسلوا'' استعمال ہوا ہے اور دوسرا ''فامسحوا''۔ ''فاغسلوا'' جو کہ فعل ہے اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں یعنی ''وجوھکم وایدیکم'' سے مل کر جملہ مکمل ہو گیا اور دھونے کا حکم ختم ہو گیا۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ اس کے بعد واؤ عاطفہ سے دوسرا جملہ شروع ہوتا ہے جو کہ پہلے جملہ کے غیر ہونے کی دلیل ہے اور یہاں ''امسحوا فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں یعنی ''برؤسکم و ارجلکم'' سے مل کر دوسرا الگ جملہ بن گیا ہے۔

اہل سنت کا مقصود چونکہ پاؤں کو دھونا ہی ہے کیونکہ دھونے کا حکم ان کے امیر عمر نے دیا ہے، لہٰذا وہ یہاں ہیر اور پھیر میں لگ جاتے ہیں اور ارجلکم کو دوسرے مکمل

---

(۱) سورۂ نساء. آیت ۲ (۲) سورۂ مبارکہ مائدہ، پ ۶

جملہ سے نکال کر پہلے جملہ میں فاغسلوا کا معمول بنانے لگ جاتے ہیں۔

حالانکہ نحوی حوالے سے " ارجلکم "کو اپنے قریب تر فعل یعنی "امسحوا "کے معمول بننے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ چونکہ " ارجلکم " کا عطف "برؤسکم" پر جو کہ محلاً " امسحوا " کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یاد رہے کہ عطف بر محل جائز بھی ہے اور اس کے بہت سے شواہد بھی پائے جاتے ہیں۔ کمالا یخفٰی!

سوال: اہل سنت کہتے ہیں کہ ارجلکم کو جر بالجوار کی وجہ سے مجرور پڑھا گیا ہے، حالانکہ یہ اغسلوا کا معمول برایدیکم ہے تو اس سے پاؤں کا دھونا نکلتا ہے۔

اما الجواب: اولاً: جب تک عطف قریب پر ممکن ہو تو بعید پر عطف جائز نہیں ہے مگر ضرورت کے وقت کہ مقام میں ضرورت نہیں ہے۔

وثانیاً: جر بالجوار متروک اور شاذ امور سے ہے اور اس پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے، بغیر ضرورت کے مجاورت کا ارتکاب فصاحت میں خلل کا موجب بنتا ہے۔

جر بالجوار کے بارے میں محققین نحو کا نظریہ:

و الذی علیه المحققون ان خفض الجوار یکون فی النعت قلیلاً و فی التوکید نادراً... و لایکون فی النسق لان العاطف یمنع من التجاور. (۱)

(۱) مغنی اللبیب، ج ۲، ص ۸۹۵، باب ثامن، طبع جدید.

انکر السیرافی و ابن جنی الخفض علی الجوار. مصدر نفسه.

محققین کا نظریہ یہ ہے کہ جر بالجوار نعت میں قلیل اور تاکید میں نادر ہوتی ہے، اور عطف نسق میں بالکل نہیں ہوتی، سیرافی اور ابن جنی نے جر بالجوار کا انکار کیا ہے۔

وثالثاً: جن بعض کے نزدیک اعراب مجاورت جائز ہے وہ اس صورت میں جائز ہے جب شرائط معینہ موجود ہوں اور مقام میں وہ شرائط مفقود ہیں۔

توضیح ذلک: جر بالجوار کی ایک شرط یہ ہے کہ التباس کا خوف نہ ہو اور یہاں معنی بگڑنے کا خوف ہے، اور دوسری شرط یہ ہے کہ جر بالجوار جہاں عطف حرف واؤ کے ساتھ ہو وہاں نہیں ہوتا اور یہاں عطف واؤ کے ساتھ ہے۔

ورابعاً: آیت وضو میں جربالجوار کو مکی ابن ابی طالب اور کئی ایک علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔(۱)

عبارت رازی: اہل سنت کے مفسر قرآن امام رازی آیتِ وضو میں جر بالجوار کے قول کے جواب میں لکھتے ہیں کہ جر بالجوار کئی جہت سے باطل ہے۔

فان قیل لم لایجوز ان یقال هذا کسر علی الجوار. کما

---

(۱) الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون، جزء رابع، ص ۲۱۲، تالیف سمین حلبی، طبع دار القلم دمشق.

فی قوله جحر ضب خرب و قوله کبیر! ناس فی بجاد مزمل قلنا هذا باطل من وجوه:

الاول: ان الکسر علی الجوار معدود فی اللحن الذی قد یتحمل لاجل الضرورة فی الشعر، و کلام الله یجب تنزیهه عنه.

و الثانی: ان الکسر انما یصار الیه حیث یحصل الامن من التباس کما فی قوله جحر ضب خرب، فان من المعلوم بالضرورة ان الخرب لایکون نعتا للضب للجحر و فی الآیة الامن من الالتباس غیر حاصل.

و الثالث: ان الکسر بالجوار انما یکون بدون حرف العطف و اما مع حرف العطف فلم تتکلم به العرب. (۱)

ملخص یہ کہ تین دلیلوں کی وجہ سے آیت میں جر بالجوار صحیح نہیں ہے۔

(۱) جر بالجوار غلطی میں شمار ہوتی ہے، فقط عند الضرورۃ شعروں میں آتی ہے اور کلام خدا کو غلطیوں سے منزہ سمجھنا ضروری ہے۔

(۲) جر بالجوار وہاں ہوتی ہے جہاں التباس کا خوف نہ ہو اور اس آیت میں التباس کا خوف ہے۔

(۳) جر بالجوار بغیر حرف عطف کے ہوتی ہے اور یہاں حرف عطف

---

(۱) تفسیر کبیر رازی، المسألة الثامنة و الثلاثون، آیت وضو.

موجود ہے، مفسر قرآن علامہ طبری نے بھی اپنی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن المجلد الرابع صفحہ ۴۸ طبع دار المعرفۃ بیروت، ہر مقام میں جر بالجوار کو پسند نہیں فرمایا، علامہ سیوطی نے بھی جر بالجوار کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۱)

و من قال: فی (ارجلکم) انه مجرور علی الجوار لان الجر علی الجوار فی نفسه ،ضعیف شاذ لم یرد منه الا احرف یسیرة و الصواب انه معطوف علی (برؤسکم).

ابن حزم شافعی کا محققانہ فیصلہ

وَ اَمَّا قَوْلُنَا فِی الرِّجْلَیْنِ فَاِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ بِالْمَسْحِ . قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : "وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَ اَرْجُلَکُمْ". وَ سَوَآءٌ قُرِءَ بِخَفْضِ اللَّامِ اَوْ بِفَتْحِهَا . هِیَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ عَطْفٌ عَلَی الرُّؤُسِ اِمَّا عَلَی اللَّفْظِ وَ اِمَّا عَلَی الْمَوْضِعِ لَا یَجُوْزُ غَیْرُ ذٰلِکَ . الخ (۲)

ابن حزم فرماتے ہیں:

پاؤں کے بارے میں قرآن میں مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔خواہ ارجلکم کے لام کو جر (زیر) کے ساتھ پڑھا جائے یا فتح (زبر) کے ساتھ۔

---

(۱) الاتقان، الجزء الثانی، ص ۳۱۳، نوع ۴۱، منشورات رضی۔

(۲) المحلی بالاثار، جلد ۱، ص ۳۰۱، طبع بیروت تالیف : الامام الجا... المحدث الفقیه الاصولی ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی

بہر حال اس کا عطف رؤوس کے لفظ پر ہے یا موضع ومحل پر ہے۔ اس کے علاوہ اور ترکیب جائز نہیں ہے۔

بزرگان کی ایک جماعت بھی مسح ہی کی قائل تھی مسح کے بارے میں روایات موجود ہیں۔"

حجاز اور عراق کے قُرّاء نے ارجلکم کی لام کو بالخفض یعنی زیر کے ساتھ پڑھا ہے:

قَرَأَ ذٰلِکَ آخَرُوْنَ مِنْ قُرَّآءِ الْحِجَازِ وَ الْعِرَاقِ: وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِکُمْ وَ اَرْجُلِکُمْ ..... بِخَفْضِ الْاَرْجُلِ.(۱)

"حجاز اور عراق کے قاریوں نے ارجلکم کی لام کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔"

تفسیر قرطبی کی عبارت

قَرَأَ ابْنُ کَثِیْرٍ وَ اَبُوْعَمْرٍو وَ حَمْزَۃُ (وَ اَرْجُلِکُمْ) بِالْخَفْضِ.(۲)

ابن کثیر، ابوعمرو اور حمزہ نے "ارجلکم" کی لام کو "جر" یعنی "زیر" کے

(۱) تفسیر طبری جلد ۴، ص ۸۲

(۲) تفسیر قرطبی جلد ۳، ص ۹۱ بحث آیت وضو.

ساتھ پڑھا ہے۔

نوٹ :

مخفی نہ رہے کہ اہل سنت نے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کا ''ارجلکم'' کی لام کو ''جر'' کے ساتھ پڑھنا بھی نقل کیا ہے۔

علقمہ اور اعمش کی قرأت

قَالَ الطَّبْرِی : حَدَّثَنَا ابْنُ حَمِیْدٍ وَ ابْنُ وَکِیْعٍ ، قَالَ ثَنَاجَرِیْرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ یَحْیَی ابْنِ وَثَابٍ عَنْ عَلْقَمَة : اَنَّهُ قَرَأَ: وَ اَرْجُلِكُمْ مَخْفُوضَةَ اللَّامِ . حَدَّثَنَا ابْنُ حَمِیْدٍ وَابْنُ وَکِیْعٍ ، قَالَا : ثَنَاجَرِیْرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ مِثْلُهُ .(۱)

جناب علقمہ اور اعمش سے منقول ہے: انہوں نے آیت وضو میں ارجلکم کی لام کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔

نوٹ :

جناب علقمہ بن قیس عراق کے بہت بڑے فقیہ تھے اور جناب اعمش حفاظ اور قراء میں سے تھے اور ثقہ تھے۔

---

(۱) تفسیر طبری جلد ۴ ، ص ۸۳

شیخ الاسلام ابو عاصم ضحاک کی قرائت

قَالَ الطَّبَرِی: حَدَّثَنَا ابنُ وَکِیعٍ : قَالَ ثَنَا اَبِی عَنْ سلمة عَنِ الضَّحَاکِ اَنَّهُ قَرَأَ : " وَ اَرْجُلِکُمِ بِالْکَسْرِ ". (۱)

طبری اپنے اسناد کے ساتھ فرماتے ہیں: ضحاک نے آیت وضو میں ارجلکم کی لام کو کسرہ (زیر) کے ساتھ پڑھا ہے۔

نوٹ :

ضحاک بن مخلا ثقہ تھے۔ خلیلی نے کہا ہے کہ ان کے زہد و علم اور دیانت پر سب کو اتفاق ہے۔ (۲)

شعبی کا ارجلکم کی لام کو جر کے ساتھ پڑھنا بھی اہل سنت کے مفسرین نے لکھا ہے۔

نوٹ :

محققین اور مناظرین پر مخفی نہ رہے کہ تفسیر کبیر رازی کی بحث محل شاہد میں مفید ہے۔ لیکن ان کی عبارت طولانی ہونے کی وجہ سے یہاں ہم اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ لیکن امام رازی کی یہاں ایک دلیل کا جواب دینا ہم ضروری اور مناسب سمجھتے ہیں۔ چونکہ اس کا جواب کسی شیعہ عالم کی تحریر میں ہماری نگاہ سے نہیں

---

(۱) تفسیر طبری جلد ۴، ص ۸۳

(۲) تهذیب التهذیب جلد ۴، ص ۴۵

گزرا۔ ان حضرات کی دلیل کو جو کہتے ہیں کہ نصبِ لام سے بھی مسح نکلتا ہے، لکھتے ہیں:

ثُمَّ قَالَ : وَ لَا يَجُوزُ دَفْعُ ذٰلِكَ بِالْاَخْبَارِ لِاَنَّهَا بأسر مِنْ بَابِ الاحاد وَ نسخ الْقُرْآن بِخَبَرِ الْوَاحِدِ لَا يَجُوزُ .

فخر الدین رازی جواب لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّهُ لَا يُمْكِنُ الْجَوَابُ عَنْ هٰذَا اِلَّا وَجْهَيْنِ . اَلْاَوَّلُ: اِنَّ الْاَخْبَارَ الْكَثِيْرَ وَرَدَتْ بِاِيْجَابِ الْغَسْلِ وَالْغَسْلُ مُشْتَمِلٌ عَلَى الْمَسْحِ وَ لَا يَنْعَكِسُ، فَكَانَ الْغَسْلُ اَقْرَبُ اِلَى الْاِحْتِيَاطِ ، فَوَجَبَ الْمَصِيْرُ اِلَيْهِ . وَ عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ يَجِبُ الْقَطْعُ بِاَنَّهُ غَسْلُ الرِّجْلِ يَقُوْمُ مَقَامَ مَسْحِهَا .

امام فخر رازی نے دوسری دلیل کو ذکر کرنے کے بعد خود ہی اس کا جواب دیا ہے: ”مقام میں عمدہ اس کی ایک ہی دلیل ہے اور وہ احتیاط ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ پاؤں کو دھویا جائے۔ کیونکہ دھونا، مسح کو بھی شامل ہے لیکن مسح دھونے کو شامل نہیں ہے۔ لہٰذا بنا بر احتیاط دھونا ہی واجب ہے۔“

والجواب :

اہل انصاف پر مخفی نہیں ہے کہ مسح الگ چیز ہے۔ لغوی، عرفی اور شرعی حوالے سے دونوں کی حقیقتیں مختلف ہیں اور دھونا الگ چیز ہے۔ جب بات اس

طرح ہے تو (غَسَل) دھونا، مسح کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ باقی رہی احتیاط کی بات تو اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر قرآن مسح کا حکم دیتا ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اور اہل سنت مفسرین نے اس بات کا اقرار بھی کیا ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی وضو میں پاؤں کے مسح کا حکم لے کر نازل ہوئے۔

مفسران قرآن امام علی علیہ السلام اور ابن عباسؓ نے بھی قرآن سے پاؤں کا مسح سمجھا ہے۔

بزرگان دین نے بھی مسح ہی کا فتویٰ دیا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اگر فخر رازی صاحب دھونے والی روایات کو مدنظر رکھ کر ان پر بھی عمل کرنا چاہتے ہیں تو جمع بین آیت و روایت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے پاؤں کا مسح کر لیا جائے پھر دھویا جائے۔ اگر فخر رازی کی دلیلِ احتیاط کو لیا جائے تو احتیاط دھونے میں نہیں ہے۔ بلکہ مسح کرنے پھر اس کے بعد دھونے میں ہے۔ اس سے مکلّف کو یقین ہو جائے گا کہ جو وظیفہ اس کے ذمہ تھا وہ یقیناً انجام پا گیا ہے۔ بخلاف فقط دھونے کے۔ یہاں وظیفہ کی ادائیگی کا یقین حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے واقع میں مسح ہی واجب ہو۔ پس فخر رازی کا یہ کہنا کہ:

”پاؤں کا دھونا اقرب الی الاحتیاط ہے۔ لہٰذا دھونا واجب ہے“

——— یہ نظریہ باطل ہے۔

نوٹ:

مخفی نہ رہے۔ فتویٰ میں احتیاط وہاں لگائی جاتی ہے، جہاں مسئلہ واضح نہ

ہو۔ لیکن محل بحث میں پاؤں کے مسح کا حکم اظہر من الشمس ہے۔ لہٰذا یہاں احتیاط کی ضرورت نہیں۔

فافھم جیداً! وضو میں پاؤں کا فقط مسح کیا جائے گا۔

خلاصۃ الکلام:

اہل سنت والجماعت کے مفسر قرآن علامہ قاسمی کا نظریہ:

وَ لَا یَخْفٰی اَنَّ ظَاهِرَ الْآیَةِ صَرِیْحٌ فِیْ اَنَّ وَاجِبَهَا : اَلْمَسْحُ . کَمَا قَالَهٗ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ غَیْرُهٗ . (۱)

مفسر قرآن علامہ قاسمی فرماتے ہیں: مخفی نہ رہے کہ ظاہر آیت وضو، پاؤں کے مسح کے بارے میں صریح اور واضح ہے۔ ابن عباس اور دیگر بزرگان دین کا بھی یہی نظریہ ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام پاؤں کے مسح کا حکم لے کر آئے

عَنِ الشَّعْبِی ، قَالَ : اَمَّا جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَدْ نَزَلَ بِالْمَسْحِ عَلَی الْقَدَمَیْنِ . (۲)

قَالَ الشَّعْبِی : نَزَلَ جِبْرَئِیْلُ بِالْمَسْحِ

(۱) تفسیر قاسمی جلد ۶ ، ص ۱۱۲ ، طبع بیروت
(۲) المصنف جلد ۱ ، ص ۱۹

جناب شعبی فرماتے ہیں: حضرت جبرئیل علیہ السلام (وضو میں) پاؤں کے مسح کا حکم لے کر نازل ہوئے۔ (۱)

عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو میں اپنے پاؤں کا مسح کرتے تھے۔ (۲)

☆ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام وضو میں پاؤں کا مسح کرتے تھے۔ (۳)

☆ حضرت ابن عباسؓ بھی پاؤں کا مسح کرتے تھے۔ (۴)

☆ حضرت انسؓ صحابی بھی پاؤں کا مسح کرتے تھے۔ (۵)

☆ اہل سنت کے تیسرے خلیفہ راشد جناب عثمان بھی پاؤں کا مسح کرتے تھے۔ (۶)

☆ حجاز اور عراق کے بڑے قاریوں کا نظریہ بھی پاؤں کے مسح کا تھا۔ (۷)

---

(۱) ﴿۱﴾ معالم التنزیل جلد ۲، ص ۲۱۷ و کتب دیگر.

(۲) نیل الاوطار شوکانی جلد ۱، ص ۱۹۹

(۳) مسند احمد، ج ۲، ص ۱۳۵۷.

(۴) تفسیر قرطبی جلد ۳، ص ۹۲

(۵) تفسیر قاسمی جلد ۶، ص ۱۱۱، و کتب دیگر

(۶) مسند احمد

(۷) تفسیر طبری جلد ۴، ص ۸۲

☆ جناب قتادہ بھی پاؤں کا مسح کرتے تھے۔ (۱)

☆ جناب شعبی بھی پاؤں کے مسح کے قائل تھے۔ (۲)

☆ عکرمہ بھی پاؤں کا مسح کرتے تھے۔ (۳)

☆ اہل سنت کے بزرگ فقہاء کی ایک کثیر تعداد نے پاؤں کے مسح کا فتویٰ دیا ہے۔ (۴)

☆ امام محمد باقر علیہ السلام پاؤں کا مسح کرتے تھے۔ (۵)

☆ اہل سنت کے بہت بڑے عالم حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ بزرگان دین کی ایک جماعت پاؤں کے مسح کی قائل تھی۔ (۶)

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے!

---

(۱) تفسیر طبری جلد ۴، ص ۸۳

(۲) معالم التنزیل جلد ۲، ص ۲۱۷

(۳) المحلی ابن حزم جلد ۱، ص ۳۰۱

(۴) المصنف جلد ۱، صفحہ ۱۹

(۵) تفسیر کبیر رازی، بحث آیت وضو

(۶) تفسیر قاسمی جلد ۲، ص ۱۱۱

بابِ دوم

در صلاۃ النبیؐ

ہمارے نبیؐ کی نماز

خداوند متعال اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اقیموا الصلوٰۃ و لا تکونوا من المشرکین (۱)

"نماز قائم کرو اور مشرک مت بنو"

قرآن مجید میں نماز کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور احادیث کی رو سے بھی شیعہ اور سنی مسلک میں اس کی اہمیت مسلّم ہے۔

الصلوٰۃ عمود الدین

" نماز دین کا ستون ہے"

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی برس تک عملاً نماز کو با جماعت پڑھ کر دکھایا ہے ظاہر ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں واجب ہیں جو کہ صدر اسلام سے لے کر آج تک اور قیامت تک پڑھی جائیں گی۔ اہل سنت اور شیعہ حضرات کے درمیان اختلاف ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جائے اہل سنت ہاتھ باندھ کر اور شیعہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں نیز رفع یدین، دعاء قنوت، سجدہ شکر، جمع بین الصلوٰتین (اکھٹی دو نمازیں پڑھنا) کے بارے میں بھی نزاع رکھتے ہیں اور ہر ایک اپنے سچا ہونے

---

(۱) سورہ مبارکہ روم آیت ۳۱.

کا دعویٰ بھی کرتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ حضورؐ نے نماز کس طرح پڑھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

صَلّوا کما رایتمونی اصلّی .(۱)

''یعنی تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے''۔

بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ جس عمل کو حضور اکرمؐ دن میں پانچ مرتبہ انجام دیتے تھے اور ہزاروں لوگ ان کی اقتداء کرنے والے ہوتے تھے وہ یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ حضورؐ کس طرح سے نماز ادا فرماتے تھے۔

ہم نے اس باب میں کوشش کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کتب اہل سنت سے پیش کریں۔ تاکہ خود قارئین فیصلہ کرسکیں کہ شیعہ حضرات کی نماز حضورؐ سے مطابقت رکھتی ہے یا اہل سنت کی۔

دعا گو ہوں کہ خداوند متعال بحق آئمہ طاہرینؑ ہمیں جناب رسالتمابؐ کے طریقے پر نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے چونکہ حدیث میں ہے کہ جس کی نماز قبول ہوگی اس کے سارے اعمال قبول ہونگے اور جس کی نماز رد کردی گئی تو اس کے سارے اعمال رد کردیے جائیں گے۔

---

(۱) نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۹۵ طبع مصر.

ارسال یدین:

پیغمبرؐ اسلام ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

عن معاذ ان رسول الله كان اذا قام فی الصلوٰۃ رفع يديه قبال اذينه فاذا كبر ارسلها .(۱)

معاذ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو کانوں کے سامنے تک رفع یدین کر کے تکبیرۃ الاحرام کہتے تھے اور ہاتھوں کو کھلا رکھتے۔

اہل سنت کے جلیل القدر عالم سہروردی اپنی کتاب عوارف المعارف ص ۳۲۳، ۳۲۴ پر نماز میں ہاتھ باندھنے کا نکتہ بیان کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی اور ارضی وسماوی بھی ہے قلب کی حد سے لے کر اوپر تک اس کا نصف حصہ آسمانی اسرار کا مخزن ہے اور اس کا نچلا نصف حصہ زمین کے اسرار کا مرکز ہے لہٰذا روحانی جذبات کی جسمانی جذبات سے تصادم اور جنگ جاری رہتی ہے نماز میں یہ کشمکش زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر نفس کو مقید کیا جاتا ہے اور اس کے جذبات کو اوپر جانے سے روک دیا جاتا ہے اس کا اثر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے بعد وسوسے اور نماز

(۱) فتاوی عبد الحی ج ۱ ص ۳۲۶

میں نفسانی تصورات کا ازالہ ہو جاتا ہے جب روحانی جذبات غالب ہو جائیں اور کمال انس ومحبت کے مواقع ازسر تا پا چھا جائیں، آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو جائے اور مشاہدہ کا تسلط مکمل ہو جائے تو نفس مغلوب اور عاجز ہو جائے گا اور اس کا مرکز روح کے نور سے منور ہو جائے گا اور اس وقت نفسانی جذبات منقطع ہو جائیں گے نفسانی مرکز جس قدر روشن ہوتا جائے گا اس قدر عبادت کی تکان زائل ہوتی جائے گی تا آنکہ نفس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوگی کہ دائیں ہاتھ کو اس کے بائیں ہاتھ پر رکھ کر نفسانی جذبات کو روکا جائے بلکہ ہاتھ چھوڑ دیے جائیں گے۔ غالباً اس نکتہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی جو کہ امام مالک کا مسلک ہے۔

نوٹ: ہمیں مصنف کے قبض یدین (ہاتھ باندھنے) کے فلسفہ سے غرض نہیں بلکہ ان کی گواہی بیان کرنا مقصود ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھی۔

صحابی رسولؐ کی نماز کا طریقہ:۔

كان ابن الزبير اذا صلى يرسل يديه (۱)

ابن ابی شیبہ نے اپنی اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ابن زبیر جب نماز پڑھتا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کھول کر پڑھتا تھا۔

(۱) مصنف ابن أبی شیبه ج ۱ ص ۴۴۴ رقم ۳۹۵۰ طبع دار التاج بیروت.

عن عمر بن دینار قال کان ابن الزبیر اذا صلی ارسل یدیه. (۱)

''عمر بن دینار سے مروی ہے کہ جب عبداللہ بن زبیر نماز پڑھتا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھتا تھا۔'' نوٹ: عبداللہ بن زبیر صحابی رسولؐ اس لئے ہاتھ کھول کر نماز پڑھتا تھا چونکہ رسول خداؐ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے اس بات کی گواہی اہل سنت کی معتبر کتاب سنن ابی داؤد۔ جو کہ صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے۔ نے دی ہے۔

عبداللہ بن زبیر اور رسول خداؐ کی نماز کا طریقہ ایک ہی تھا:۔

فقال ان احببت ان تنظر الی صلوٰۃ رسول اللہ فاقتد بصلوٰۃِ عبداللہ ابن زبیر. (۲)

''ابن عباس نے فرمایا: اگر تو چاہے کہ رسول خداؐ کی نماز کو دیکھے تو نماز میں عبداللہ بن زبیر کی اقتداء کر۔

اصحاب نبیؐ بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے:

قال المالک العزیمة فی الارسال والرخصة فی الوضع والاخذ لِاَنَّ النبیؐ کان یفعل کذلک و کذا الصحابة حتیٰ ینزل

(۱) فتاوی عبد الحی ج ۱ ص ۳۲۶ . (۲) سنن ابی داؤد ص ۱۰۸.

الدم من رؤسِ اصابعهم .(۱)

''امام مالک نے کہا عزیمت ہاتھ کھول دینے میں ہے اور ہاتھ باندھنے کی صرف رخصت ہے کیونکہ نبی اکرمؐ اور آپؐ کے اصحاب اس طرح ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ انگلیوں کے سروں میں خون اتر آتا تھا۔''

نوٹ: خداوند متعال قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة .(۲)

''تمھارے لئے رسولؐ کی زندگی میں بہترین نمونہ عمل ہے۔''

خداوند متعال سب مسلمانوں کو رسول اکرمؐ کے طریقے پر نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ابن منذر نے روایت کی ہے کہ ابن زبیر، حسن بصری، ابراہیم نخعی، ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

روی ابن المنذرعن ابن الزبیر والحسن البصری والنخعی أنه یرسلهما و لا یضع الیمنی علی الیسری .(۳)

''ابن سیرین بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔''(۴)

---

(۱) عینی شرح کنز الدقائق ص ۲۵ طبع نولکشور .

(۲) سوره احزاب آیت ۲۱ .

(۳) نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۰۸ طبع مصر .

(۴) عمدة القاری شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۷۹ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت .

ابن ابی شیبہ عبداللہ بن یزید سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابن مسیب کو نماز میں ہاتھ باندھے ہوئے نہیں دیکھا وہ کھلے ہاتھ نماز پڑھتا تھا۔

عن عبدالله بن يزيد قال ما رأيت ابن المسيب قابضا يمينه في الصلوٰة كان يرسلها (١)

''عبداللہ ابن عیزار کا بیان ہے کہ میں سعید بن جبیر کے ساتھ طواف کر رہا تھا پس انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ رہا تھا پس ابن جبیر اس (نمازی کی طرف گئے) اور اس کے دونوں ہاتھ کھول دیے اور واپس آ گئے۔''

عن عبدالله بن العيزار قال كنت اطوف مع سعيد بن جبير فرأى رجلا يصلى و اضعا احدى يديه على الا خرى هذه على هذه و هذه على هذه فذهب ففرق بينهما ثم جاء .(٢)

''قاسمیہ، ناصریہ، اور امام محمد باقرؑ بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے''

نقله المهدى فى البحر عن القاسميه والناصريه والباقرؑ .(٣)

'' اہل سنت کے چار مشہور امام ہیں جن میں سے ایک امام مالک بن انس ہیں جو کہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔''

(١) مصنف ابن ابى شيبه ج ١ ص ٣٤٤ رقم ٣٩٥٢ طبع دار التاج بيروت.

(٢) مصنف ابن ابى شيبه ج ١ ص ٣٤٤ رقم ٣٩٥٣ طبع دار التاج بيروت .

(٣) نيل الاوطار ج ٢ ص ٢٠٨ .

روی ابن القاسم عن مالک الارسال وصار الیہ اکثر اصحابه . (۱)

''ابن قاسم نے مالک سے ارسال یدین کی روایت کی ہے اور ان کے اکثر صحابہ بھی اس چیز یعنی ارسال یدین کی طرف گئے ہیں۔''

قاضی شوکانی اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں کہ ارسال یدین، (ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے والی) روایت ان کے جمہور اصحاب کے نزدیک مشہور ہے۔(۲)

قال مالک العزیمة فی الارسال والرخصة فی الوضع والاخذ . (۳)

''امام مالک نے کہا عزمیت ہاتھ کھول دینے میں ہے ہاتھ باندھنے کی صرف رخصت ہے۔''

یعنی صرف نافلہ نمازوں میں رخصت ہے فرض نمازوں میں جائز نہیں ہے۔(۴)

نوٹ: امام مالک کے پیروکار عرب ممالک میں اب بھی موجود ہیں جو کہ

---

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۶۳ طبع مصر .
(۲) نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۰۸ .
(۳) (عینی، شرح کنز الدقائق ص ۲۵ .
(۴) بدایة المجتهد ص ۱۴۳

ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں مکہ معظمہ میں حج وعمرہ کے موقع پر ان کو دیکھنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اہل سنت کے امام اوزاعی کا نظریہ ہے کہ نماز میں آدمی خود مختار ہے کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے یا ہاتھ کھول کر نماز پڑھے ۔(۱)

قبض یدین والی روایات اور انکے بارے میں تحقیق:

دار قطنی نے اپنی سنن میں قبض یدین (یعنی نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں) پندرہ روایات ذکر کی ہیں صاحبان تحقیق کی سہولت کے لئے مقام میں دار قطنی کی ذکر کردہ عین روایات کو نقل کر رہا ہوں۔

۱. حدثنا ابو محمد بن صاعد ثنا علی بن مسلم ثنا اسماعیل بن أبان الوراق حدثنی مندل عن ابن أبی لیلی عن القاسم بن عبدالرحمن عن أبیه ، عن عبدالله بن مسعود أن النبیؐ کان یا خذ شماله بیمینه فی الصلوٰۃ .

۲. حدثنا عبد الله بن محمد بن عبد العزیز ثنا شجاع بن مخلد ثناء ھشیم قال منصور ثنا عن محمد بن أبان الأنصاری، عن عائشه قالت ثلاثة من النبوۃ تعجیل الافطار و تاخیر السحور و وضع الید الیمنی علی السیری فی الصلوٰۃ.

(۱) نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۰۸ .

٣. حدثنا ابن صاعد نا زيا د بن ايوب نا النضر بن اسماعيل عن ابن ابى ليلى عن عطاء عن أبى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم أمرنا معاشر الانبياء أن نعجل افطار نا و نو خر سحورنا و نضرب بأ يماننا على شمائلنا فى الصلوٰة.

٤. حدثنا ابن السكين نا عبد الحميد بن محمد نا مخلد بن يزيد نا طلحه عن عطاء عن ابن عباس عن النبى ؐ قال اِنا معاشر الانبياء أمرنا أن نوخر السحور و نعجل الافطار وأن نمسک بأيماننا على شمائلنا فى الصلوٰة.

٥. حدثنا احمد بن عيسىٰ الخواص نا ابراهيم بن ابى الجحيم ، نا محمد بن محبوب ثناعبد ا لواحد بن زياد عن عبدا لر حمن بن اسحاق عن سيار أبى الحكم ، عن ابى وائل عن ابى هريرة قال الكف على الكف فى الصلوٰه من السنة .

٦. حدثنا محمد بن مخلدنا محمد بن اسماعيل الحسانى ثنا و كيع ثنا يزيد بن ابى الجعد عن عاصم الجحدى عن عقبة بن ظهير عن على رضى الله عنه (فصل لربک وانحر) قال وضع اليمين على الشمال فى الصلوٰة .

٧. حدثنا أبو محمد بن صاعد ، نا يعقوب بن ابراهيم

بن مخلد ، نا محمد بن اسماعيل الحسائی، ثنا وکیع ، ثنا سفيان عن الدورقی ،ثنا عبد الرحمن بن مهدی عن سفيان ، ح وحدثنا محمد سماک عن قبيصة بن هلب عن ابيه قال رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضعاً يمينه على شماله فی الصلوٰة .

٨. حدثنا الحسين بن اسماعيل و عثمان بن جعفر بن محمد الاحول قالا نا يوسف ابن موسىٰ ، نا وكيع ، نا موسىٰ بن عمير العنبری عن علقمة بن وائل الحضرمی عن أبيه قال رأيت رسول اللهؐ واضعاًيمينه على شماله فی الصلوٰة.

٩ . حدثنا يعقوب بن ابراهيم البراز ،ثنا الحسن بن عرفة،نا أبو معاويةعن عبدالرحمن بن اسحٰق ح وحدثنامحمد بن القاسم بن زكريا المحاری ، ثنا أبو كريب ،ثنايحيٰی بن أبی زائدة عن عبدالرحمن بن اسحٰق،ثنا زياد بن زيد السوائی عن ابی جحيفة، عن علی رضی الله عنه قال ان من السنه فی الصلوٰة وضع الكف على الكف تحت السرة .

١٠ . حدثنا محمد بن القاسم ، ثنا ابو كريب، ثنا حفص بن غياث ، عن عبدالرحمن بن اسحاق عن النعمان بن سعد ، عن على أنه ان يقول ان من السنة الصلوٰة وضع اليمين على الشمال

تحت السرة.

۱۱ . حدثنا محمد بن عبدالله بن زكريا والحسن بن الخضر، قالا نا أحمد بن شعيب ثنا سويد بن نصر ، ثنا عبدالله عن موسیٰ بن عمير العنبری و قيس بن سليم قالا نا علقمه بن اوائل عن أبيه قال رأيت رسول الله ﷺ أ ذا كان قائماً فی الصلوٰة قبض بيمينه علی شماله.

۱۲ . حدثنا محمد والحسن قالا نا أحمد بن شعيب ، انا عمرو بن علی ،نا عبد الرحمن نا هيثم عن الحجاج بن ابی زينب قال سمعت اباعثمان يحدث ، عن عبدالله بن مسعود قال رائی النبیﷺ وضعت شمالی علی يمينی فی الصلوٰة فأخذ يمينی فوضعها علی شمالی .

۱۳ . حدثنا احمد بن محمد بن جعفر الجوزی ، ثنا مضر بن محمد ، نا يحيیٰ بن معين ، ثنا محمد بن الحسن الواسطی ، عن الحجاج بن ابی زينب ، عن ابی سفيان ، عن جابر : قال مر رسول الله ﷺ برجل وضع شماله علی يمينه مثله .

۱۴ . وذكره ابن صاعد قال حد ثنا عمار بن خالد ، ثنا محمد بن يزيد الواسطی عن الحجاج بن ابی زينب عن ابی عثمان

عن ابن مسعود قال مربه النبیؐ و هو یصلی واضع شماله علی یمینه، فأخذ بیمینه فجعلها علی شماله.

۱۵. حدثنا الحسن بن الخضر بمصر، ثنا محمد بن احمد ابو العلاء، ثنا محمد بن سوار ثنا ابو خالد الاحمر عن حمید، عن انس قال کان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا قام فی الصلوٰۃ قال هکذا و هکذا عن یمینه و عن شماله ثم یقول استووا و تعادلوا. (۱)

التحقیق فی ذلک: مذکورہ سب روایات قابل مناقشہ اور ضعیف السند ہیں۔ کیونکہ اس باب کی پہلی روایت کی سند میں مندل (ابن علی غنزی) ہے جس کو نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (۲)

دوسری روایت کی سند میں محمد بن ابان انصاری ہے جس کے بارے میں بخاری نے کہا ہے کہ محمد بن ابان کا عائشہ سے سننا صحیح نہیں ہے جیسا کہ حاشیہ سنن دار قطنی میں مرقوم ہے۔

تیسری روایت کی سند میں نضر بن اسماعیل ہے احمد اور نسائی اور ابوذرعۃ نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے (۳)

---

(۱) سنن دار قطنی الجزء الاول طبع عالم الحدیث از صفحه ۲۸۳ تا ۲۸۷.

(۲) تهذیب التهذیب ج ۱۰:۔ ۲۹۸ . ۲۹۹، طبع دار الکتاب الاسلامی.

(۳) تهذیب التهذیب ج ۱۰ ص ۴۳۵.

چوتھی روایت کی سند میں طلحہ بن عمرو بن عثمان حضرمی ہے احمد نے کہا ہے کہ یہ متروک الحدیث ہے (۱)

پانچویں روایت میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق ہے جس کے بارے میں احمد بن حنبل اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ منکر الحدیث ہے وقال ابن معین لیس بشیٔ وقال البخاری فیہ نظر۔ (۲)

اور چھٹی روایت جس کو دارقطنی نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت علیؑ سے "فصل لربک وانحر" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ہے۔ حافظ ابن کثیر دمشقی اپنی تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۹۷ طبع بیروت، میں لکھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ (یعنی حضرت علیؑ کی طرف ہاتھ باندھنے کی نسبت غلط دی گئی ہے۔

دارقطنی کی تحریر کردہ ساتویں روایت کی سند میں قبیصہ بن ھلب ہے نسائی نے کہا ہے کہ یہ مجہول ہے۔ (۳)

اس باب کی آٹھویں روایت میں علقمہ بن وائل حضرمی ہے اور اس کی باپ سے روایت مرسل ہے حکی العسکری عن ابن معین انہ قال

---

(۱) تھذیب التھذیب عسقلانی ج ۵ ص ۲۳ . ۲۴

(۲) (تھذیب التھذیب ج ۶ ص ۱۳۶ھ . ۱۳۷) ھ

(۳) (تھذیب التھذیب ج ۸ ص ۳۵۰ھ)

علقمة بن وائل عن ابیه مرسل(۱)

چونکہ علقمہ اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہے تو وفات کے بعد اس نے اپنے والد سے کیسے سن لیا؟۔ مخفی نہ رہے صحیح مسلم میں جو قبض یدین کے بارے میں روایت نقل ہوئی ہے تو اس کی اسناد میں بھی یہی علقمہ ہے۔ فافهم و اغتنم.

اس باب کی روایت نمبر نہم اور دہم کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق ہے جو کہ ضعیف ہے کما مرّ ذکرہ انفا اور اس باب کی روایت نمبر یازدھم کی سند میں علقمہ بن وائل ہے جس کا ذکر روایت ہشتم میں گذر چکا ہے اور اس باب کی روایت ۱۲۔۱۳۔۱۴ کی سند میں حجاج بن ابی زینب ہے جس کے بارے میں ابن مدینی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔(۲)

اور اس باب کی روایت نمبر پانزدھم کی سند میں ابو خالد سلمان بن حیان ہے جس کے بارے میں ابن معین نے کہا ہے کہ حجت نہیں ہے۔(۳) یہ تھیں دار قطنی کی روایات جن سے اہل سنت قبض یدین اور اور کیفیت قبض یدین کے بارے میں استدلال کرتے ہیں جن کا حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔

---

(۱)تهذیب التهذیب ج ۷ ص ۲۸۰.

(۲) تهذیب التهذیب ج ۲ ص ۲۰۱.

(۳) تهذیب التهذیب ج ۴ ص ۱۸۱.

نیز مخفی نہ رہے کہ بخاری کی روایت میں ہے:

"کان الناّس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنی علی ذراعه الیسری فی الصلوٰۃقال ابو حازم لا أ علمه الا أن ینمی ذلک اِلی النبیؐ قال اسماعیل ینمی ذلک ولم یقل ینمی".

اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم دیتے تھے اور راوی کو جزم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہاتھ باندھنے کا حکم دیا ہو اور روایت میں ینمیٰ صیغہ مجہول ہے کما لا یخفیٰ۔

نیز مخفی نہ رہے کہ سنن ابی داؤد میں نماز میں ہاتھ باندھنے کے متعلق سب روایات قابل مناقشہ اور ضعیف السند ہیں۔ چونکہ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ کی روایت نمبر ۷۵۴ کی سند میں علاء بن صالح ہے جس کے بارے میں ابن مدینی نے کہا ہے کہ وہ منکر احادیث کو روایت کرتا ہے۔(۱) اور اس باب کی روایت نمبر ۷۵۵ کی سند میں حجاج بن ابی زینب ہے ابن مدینی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔(۲)

اور اس باب کی روایت نمبر ۷۵۶ کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق ہے جس کے بارے میں ابن حنبل اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ منکر الحدیث ہے اور ابن معین نے

---

(۱) (ملاحظه هو تهذيب التهذيب ج ۸ ص ۱۸۴ .

(۲) (تهذيب التهذيب ج ۲، ص ۲۰۱.

کہا ہے کہ لیس بشئی اور بخاری نے کہا ہے فیہ نظر(۱)

اور اس باب کی حدیث ۷۵۷ میں بھی واضح مناقشہ موجود ہے(۲)

اور اس باب کی روایت نمبر ۷۵۸ کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی ہے جو کہ منکر الحدیث ہے(۳)

اور اس باب کی روایت نمبر ۷۵۹ کی سند میں ھیثم بن حمید ہے جس کے بارے میں ابو مسھر کا قول ہے کہ وہ ضعیف اور قدری تھا۔(۴)

خلاصہ یہ کہ نماز میں ہاتھ باندھنے والی روایات ضعیف اور قابل مناقشہ ہیں

سنی مجتہد کی گواہی کہ پیغمبر اکرمؐ کا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

قد جاء ت آثار ثابتة نقلت فيها صفة صلوته عليه الصلوٰة والسلام ولم ينقل فيها انه كان يضع يده اليمنىٰ علىٰ اليسرىٰ.

جو آثار ثابت ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی صفت نقل ہوئی ہے ان

(۱) تهذيب التهذيب ج ٦ ص ١٣٦ . ١٣٧.

(۲) سنن ابی داؤد ج ١ ص ٢٠١ ،طبع دار احياء السنة النبوية.

(۳) تهذيب التهذيب ج ٦ ص ١٣٦ . ١٣٧.

(۴) تهذيب التهذيب ج ١١ ص ٩٢. ٩٣.

میں یہ بات ثابت نہیں کہ پیغمبر اسلامؐ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے یعنی یہ بات ثابت نہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ہاتھ باندھ کر پڑھتے تھے۔(۱)

سنی مجتہد کی گواہی کہ قبض یدین افعال صلوٰۃ سے نہیں ہے۔

رای قوم ان ا لأ وجب المصير الى الاثار الّتى ليس فيها هذه الزيادة لِانّهما اكثر ولكون هذه ليست مناسبة لأفِعال الصلوٰةو انما هى من باب الاستعانة و لذلك أجازها مالک فى النفل ولم يجز ها فى الفرض.

ایک قوم کا نظریہ ہے کہ ان آثار کی طرف جانا واجب ہے جن میں یہ قبض یدین کی زیادتی نہیں ہے کیونکہ وہ عدد کے لحاظ سے بھی اکثر ہیں اور اس لئے کہ ہاتھ باندھنا نماز کے افعال سے مناسب بھی نہیں ہے یہ تو صرف مدد کی خاطر ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے بھی نفل نمازوں میں ہاتھ باندھنے کی اجازت دی ہے اور فرض نمازوں میں جائز نہیں سمجھتے تھے (۲)

---

(۱) بداية المجتهد ج ۱ ص ۱۴۰ ۔ناشر منشورات رضی .

(۲) بداية المجتهد ج ۱ ص ۱۴۰ .

حکمت وضع

اہل سنت کے نزدیک نماز میں ہاتھ باندھنے کا فلسفہ۔

۱۔ ہاتھ باندھنا ادب کی وجہ سے ہے۔(۱)

۲۔ ہاتھ باندھنے سے ذلیل سائل کی شکل بن جاتی ہے اور یہ چیز عبث سے مانع اور خشوع کے زیادہ نزدیک ہے۔(۲)

۳۔ ہاتھ باندھنا راحت کی خاطر ہے کما عن ابن الحاجب ۔(۳)

۴۔ ہاتھ باندھنے سے شرم گاہ چھپی رہتی ہے۔(۴)

۵۔ ہاتھ باندھنے سے دھوتی گرنے سے محفوظ رہتی ہے و حفظ الازار عن السقوط .(۵)

۶۔ اہل سنت کے بعض علماء کہتے ہیں کہ نماز میں ہاتھ باندھنا عادت ہے

---

(۱) اوجز المسالک ج ۳ ص ۱۷۲ .

(۲) فتح الباری ج ۲ ص ۲۶۲ ، ۲۶۳ .

(۳) فتح الباری ج ۲ ص ۲۶۳ .

(۴) عمدة القاری ج ۵ ص ۲۷۹ ، ۲۸۰ طبع بیروت .

(۵) عمدة القاری ج ۵ ص ۲۸۰ .

اور بعض نے کہا ہے کہ روافض کی مخالفت کی وجہ سے ہے تا کہ ان سے شباہت حاصل نہ ہو۔

۷۔ نماز کو ہاتھ باندھ کر پڑھنا سنت ہے نہ کہ واجب۔(۱)

والتحقیق:۔ اگر نماز میں ہاتھ باندھنا ادب اور ذلیلانہ صورت کی وجہ سے ہے تو اہل سنت سے گذارش یہ ہے کہ نماز تکبیرۃ الاحرام سے شروع ہوتی ہے اور سلام کہنے پر ختم ہوتی ہے تو پھر پوری نماز کو قیام، رکوع، سجود، تشھد اور سلام سمیت ہاتھ باندھ کر پڑھنی چاہیے تا کہ ادب اول نماز سے لے کر آخر نماز تک برقرار رہے قیام کی حالت میں ہاتھ باندھ لینا اور باقی پوری نماز کو کھلے ہاتھ پڑھنا یہ آپ کی اپنی بتائی ہوئی دلیل کے ساتھ سازگاری نہیں رکھتا. ھذا اولاً.

وثانیاً۔ اگر برفرض صرف قیام ہی میں ہاتھ باندھنا سنت رسولؐ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہاتھ کہاں باندھے جائیں ناف کے اوپر یا نیچے یا سینے پر تو اس مسئلہ میں اہل سنت کے اماموں کا اختلاف ہے ابوحنیفہ ناف کے نیچے باندھنے کا کہتا ہے، اور شافعی کے نزدیک سینہ کے نیچے باندھے اور احمد کے تین فتویٰ ہیں سینہ کے نیچے باندھے اور دوسرا فتویٰ ناف کے نیچے باندھے اور تیسرا فتویٰ کہ نمازی کو اختیار ہے کہ خواہ سینہ پر باندھے یا ناف کے نیچے۔ اہل سنت کے پڑھے لکھے باانصاف لوگوں سے گزارش ہے کہ! اگر نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہوتا

---

(۱)(نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۰۹ .

تو ائمہ اہل سنت کے درمیان مذکورہ اختلاف نہ ہوتا نیز اگر نماز میں ہاتھ باندھنے کا شریعت میں حکم ہوتا تو اس بارے میں عجیب وغریب طرح طرح کے فلسفے گھڑنے کی علماء اہل سنت کو ضرورت نہ پڑتی ہمارے نزدیک نماز ہاتھ کھول کر پڑنا واجب ہے اور ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا مبطل صلوٰۃ ہے۔اس مطلب کی دلیل آئمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین اور ان کی سیرت طیبہ ہے۔امام محمد باقرؑ علیہ السلام نے نماز میں ہاتھ باندھنے سے منع فرمایا ہے۔

عن ابی جعفرؑ ....ولا تکفر انما یصنع ذلک المجوس.(۱)

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا، نماز میں ہاتھ نہ باندھ چونکہ ہاتھ باندھنا مجوس کا طریقہ ہے۔امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں نماز میں انسان کا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھنا یہ عمل ہے اور نماز میں یہ عمل جائز نہیں ہے۔(کتاب مذکورہ حدیث ۴)۔

محمد بن مسلم نے صادقین سے یعنی امام باقرؑ یا امام صادقؑ سے سوال کیا کہ کیا شخص نماز میں ہاتھ باندھ سکتا ہے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ لے ؟

" فقال ذلک التکفیر لا یفعل "

---

(۱) وسائل الشیعہ کتاب الصلوٰۃ باب ۱۵،عدم جواز التکفیر وھو وضع احدی الیدین علی الاخری فی الصلوٰۃ ابواب قواطع الصلوٰۃ ،ج ۴ ،ص ۱۲۶۴، حدیث ۲.

امام علیہ السلام نے فرمایا یہ تکفیر ہے ایسا نہ کرے۔(۱)

وَ ارسِل یَدَیکَ. (۲)

" نماز میں ہاتھ کھلے رکھ"

امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے حماد بن عیسیٰ کو نماز کا طریقہ تعلیم فرماتے ہوئے ہاتھ کھول کر نماز پڑھی:

فقام ابو عبد الله مستقبل القبلة منتصبا فارسل یدیه جمیعا علیٰ فخذیه .(۳)

امام صادق علیہ السلام رو بہ قبلہ ہو کر سیدھے کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھوں کو اپنی رانوں پر سیدھا چھوڑ دیا۔

تقاضا احتیاط:۔

اہل سنت کے نزدیک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا سنت ہے واجب نہیں ہے یعنی اگر نماز میں ہاتھ نہ بھی باندھے جائیں تو بھی نماز صحیح ہے اور شیعہ کے نزدیک بلا عذر شرعی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا مبطل نماز ہے۔تو پھر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نماز میں ہاتھ نہ باندھے جائیں بلکہ کھلے ہاتھوں نماز پڑھی جائے۔ جیسا کہ

---

(۱) (وسائل الشیعه باب عدم جواز التکفیر ج ۴ طبع قدیم،ص ۱۲۶۴ حدیث ۱.

(۲) وسائل الشیعه کتاب الصلوٰۃ باب ۱ از ابواب افعال صلوٰۃ حدیث ۳ .

(۳) فروع کافی ج ۳ ص ۳۱۱ ، وسائل الشیعه باب ۱۷ ازابواب القیام ج ۱ وکتب دیگر .

امام مالک ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتا تھا۔ چونکہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا شیعہ وسنی کے نزدیک صحیح ہے اور باندھنے کی صورت میں کم سے کم یہ احتمال تو باقی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ہاتھ باندھنا مبطل نماز ہو لہٰذا ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی صورت میں آدمی کو یقین حاصل ہے کہ اس کی نماز صحیح ہے اور باندھنے کی صورت میں یقین نہیں ہے لہٰذا ہاتھ کھول کر نماز پڑھنی چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا یہ مطابق فطرت ہے اور ہاتھ باندھنا یہ خلاف فطرت ہے اور خلاف اصل ہے جو کہ دلیل کی محتاج ہے اور مقام میں دلیل مفقود ہے۔ نیز اگر نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم ہوتا تو اہل بیتؑ پیغمبرؐ اس کو ہرگز ترک نہ کرتے حالانکہ اہل بیتؑ کا عمل نماز میں ہاتھ چھوڑنے کا ہے۔

و اهل البیتؑ ادری بما فیه اور گھر والے بہتر جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے۔ آئمہ اہلبیتؑ نے نماز کو ہاتھ باندھ کر پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور پوری امت کو قرآن اور اہل بیتؑ کرام سے تمسک کرنے کا حکم ہے۔ تو پھر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کو ہاتھ چھوڑ کر بجا لانا چاہیے تعصب اور ہٹ دھرمی سے اجتناب کرنا چاہیے دعا گو ہوں کہ خداوند متعال بحق محمد وآل محمدؑ سب مسلمانوں کو پیغمبر اسلامؐ اور ان کے اہل بیتؑ کے طریقہ پر نماز پڑھنے کی توفیق نصیب فرمائے اور سب کو آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی توفیق دے کیونکہ نجات اسی میں ہے۔

اہل سنت کے جلیل القدر محدث شاہ عبدالعزیز دہلوی تحفہ اثناء عشریہ میں

حدیث ''انی تارک فیکم الثقلین'' کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا میں تم میں دوگراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے دونوں سے تمسک کیا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک قرآن اور دوسری میری عترت اہل بیتؑ ہے۔

هذا الحديث ثابت عند الفريقين اهل السنه والشيعة و قد علم منه أن رسول اللهؐ امرنا فى المقدمات الدينية و الاحكام الشريعة بالتمسک بهذين العظيمى القدر والرجوع اليهما فى كل امر فمن كان مذهبه مخالفا لهما فى الامور الشريعة اعتقاداً و عملاً فهو ضال ، و مذهبه باطل و فاسد لا يعباء به .

شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں یہ حدیث شیعہ اور اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے اور اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے ہمیں دینی مقدمات اور احکام شریعہ میں دو عظیم القدر (قرآن اور اہل بیتؑ) سے تمسک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان کی طرف ہر کام میں رجوع کرنے کا حکم دیا ہے پس جس شخص کا نظریہ شرعی امور میں اعتقادی اور عملی حوالے سے قرآن اور اہل بیتؑ کے خلاف ہو وہ شخص گمراہ ہے اور اس کا مذہب باطل اور فاسد ہے، اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

قبض یدین کی داستان:۔

جب جنگ قادسیہ ہوئی تو ایران کا ایک بہت بڑا حصہ فتح ہو گیا ایران کے

مجوسی قیدی جب دربار میں آئے تو ان کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے ہاتھوں کو باندھے ہوئے تھے تو عمر بن خطاب نے ان سے سوال کیا کہ ایسا کیوں کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم حاکم کے دربار میں عزت کے لئے ایسا کرتے ہیں تو عمر کو یہ طریقہ پسند آگیا اور انہوں نے حکم دے دیا کہ نماز میں ہاتھ باندھے جائیں۔(۱)

نوٹ:۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے پیغمبر اسلامؐ کے طریقے کو چھوڑ کر مجوس کے طریقہ کو اختیار کرلیا۔یہی وجہ ہے کہ آئمہ اہلبیت علیہم السلام نے نماز کو ہاتھ باندھ کر پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔اور اس کو طریقہ مجوس سے تعبیر کیا ہے۔

رفع یدین :۔

شیعہ کا نظریہ یہ ہے کہ ہر نماز میں ہر تکبیر کے وقت رفع یدین (ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا) مستحب ہے اور اس پر کئی ایک روایات اہل بیتؑ دلالت کرتی ہیں۔(۲)

اہل سنت نے بھی نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔

---

(۱) جواھر الکلام ج ۱۱ ص ۱۹ .

(۲) ان روایات کو وسائل الشیعہ اور مستدرک الوسائل باب ۱، رفع یدین میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ وکتب دیگر.

عن ابن عباس ان رسول الله کان یرفع یدیه عند کل تکبیرة.(۱)

ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

تسمیه بالجهر:

شیعہ کا نظریہ ہے کہ نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بالجہر (یعنی بلند آواز سے) پڑھی جائے جہری نماز میں جہر واجب اور اخفاتی نماز میں جہر مستحب ہے اور اس پر روایات دلالت کرتی ہیں۔

نماز میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسم اللہ الرحمن الرحیم بالجهر پڑھتے تھے:

عن أنس قال سمعت رسول اللهؐ یجهر بسم الله الرحمن الرحیم اخرجه الحاکم (۲)

انس بن مالک (خادم پیغمبرؐ) کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؐ کو نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بالجہر یعنی بلند آواز سے پڑھتے ہوئے سنا۔ حاکم

(۱) سنن ابن ماجه ص ۴۴ طبع کراچی باب رفع الیدین اذا رکع و اذا رفع رأسه من الرکوع.

(۲) (تفسیر در منثور ج ۱ ص ۸، نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۲۶.

نے کہا ہے کہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں کمافی نیل الاوطار۔

اصحاب نبی کی ایک جماعت بسم اللہ الرحمن الرحیم بالجہر پڑھنے کی قائل تھی۔(۱)

حدیث کے بعد مرقوم ہے :

وقد قال بهذا عدة من اهل العلم من اصحاب النبی فهم ابوهريرة ابن عمر و ابن عباس و ابن الزبير و من بعد هم من التابعين رائوا الجهر بسم الله الرحمن الرحيم و به يقول الشافعی و اسماعيل بن حماد .ملخص :

اصحاب نبیؐ میں ایک اہل علم کی جماعت تسمیہ بالجہر کی قائل تھی ان میں ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن عباس، اور ابن زبیر تھے اور ان کے بعد تابعین (۲) کا بھی یہی نظریہ ہے شافعی اور اسماعیل بن حماد نے بھی یہی کہا ہے۔

اہل سنت کے مفسر فخر رازی لکھتے ہیں:

و امّاأن علی ابن ابی طالب کان یجهر بالتسمية فقد ثبت بالتواتر و من اقتدى فی دينه بعلی ابن ابی طالب فقد اهتدى والد ليل

---

(۱) سنن ترمذی ج ۱، ص ۵۶ باب من رائی الجهر بسم الله الرحمن الرحيم

(۲) تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں جو کہ تسمیہ بالجہر کے قائل ہیں۔ کی تعداد بہت ہے جن میں پچیس افراد کے نام نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۲۴ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں.

علیه قوله علیه السلام اللهم أدر الحق مع علی حیث دار (۱)

فخر رازی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھتے تھے اور یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جس کسی نے اپنے دین میں علی ابن ابی طالب کی اقتداء کی وہ ھدایت یافتہ ہوا اور اس کی دلیل پیغمبر اکرمؐ کا فرمان ہے کہ اللہ حق کو پھیر دے علیؑ کے ساتھ جہاں وہ پھر جائیں۔

اے کاش کہ عقیدہ اور سب اعمال میں، فخر رازی، حضرت علی کی پیروی کرتے چونکہ جب یہ تسلیم کیا ہے کہ حضورؐ نے ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اے اللہ حق کو ادھر پھیر دے جدھر علیؑ پھر جاتا ہے تو سب مسائل میں حق علیؑ کے ساتھ ہے مخفی نہ رہے کہ آل رسولؐ کا تسمیہ بالجھر پر اجماع ہے جیسا کہ بیھقی نے خلافیات میں ذکر کیا ہے ۔(۲)

نیز اہل سنت میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ توبہ کے علاوہ باقی سورتوں کی آیت محسوب ہے یا کہ نہیں نیز سورہ حمد کی آیت کے بارے میں بھی خلاف رکھتے ہیں لیکن آئمہ اہل بیت کے نزدیک سورہ توبہ کے علاوہ باقی سب سورتوں کی آیت ہے، نماز میں ان کا عمل بالجھر کے ساتھ ہے ۔

---

(۱) تفسیر کبیر رازی ج ۱ ص ۲۰۵ الحجة الخامسة، ذیل سورة فاتحه .

(۲) کمافی نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۲۴ .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نماز میں کس نے چھوڑا ؟

و اخرج الشافعی فی الام والدار قطنی والحاکم و صحّحه و البیھقی عن معاویة انه قدم المدینة فصلی بھم ولم یقرا بسم الله الرحمن الرحیم ولم یکبر اذا خفض و اذارفع فناداہ المھاجرون و الانصار حین سلم یا معاویة أسرقت صلاتک این بسم الله الرحمن الرحیم واین التکبیر .(۱)

ملخص: جب معاویہ مدینہ میں آیا تو اس نے نماز پڑھائی اور نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چھوڑ دی۔ جب رکوع کے لئے سر جھکایا اور سر اٹھایا تو تکبیر بھی نہیں کہی جب سلام پھیرا تو مہاجرین اور انصار نے شور مچایا کہ تو نے نماز میں چوری کر لی ہے. بسم اللہ کہاں ہے اور تکبیر کہاں گئی۔

قنوت:

شیعہ کا نظریہ یہ ہے کہ سب نمازوں میں قنوت مستحب ہے۔

عن زرارة عن ابی جعفرؑ انه قال: القنوت فی کل الصلوٰات.(۲)

---

(۱) در منثور ج ۱ ص ۸ النصائح الکافیه ص ۱۲۷.

(۲) وسائل الشیعه ابواب القنوت باب ۱ حدیث ۱.

زرارہ نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: سب نمازوں میں قنوت ہے۔

عن محمد بن مسلم عن ابی جعفر علیه السلام انه قال القنوت فی کل رکعتین فی التطوع و الفریضة (۱)

محمد بن مسلم نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ انہوںؑ نے فرمایا: ہر مستحب اور واجب نماز کی دوسری رکعت میں قنوت ہے۔ قنوت رکوع سے پہلے ہے جیسا کہ زرارہ نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے (۲)

نوٹ: نماز جمعہ کے قنوت کا الگ حکم ہے چونکہ اس میں دو قنوت ہیں پہلی رکعت میں رکوع سے پہلے اور دوسرا، دوسری رکعت میں رکوع کے بعد ہے۔ نمازِ عید اور نماز آیات کے قنوتوں کے بارے میں فقہی کتب کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔

اہل سنت کے نزدیک قنوت کے بارے میں اختلاف ہے اور ان کا خیال ہے کہ حضورؐ نے قنوت پڑھا بھی ہے اور ترک بھی کیا ہے

نیز ان کے نزدیک یہ بھی اختلاف ہے کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں، اور منشاء اختلاف روایات ہیں جن میں حضورؐ کی نماز کی حکایت کی گئی ہے چونکہ حضورؐ قنوت میں بعض اوقات اعداء دین کے لئے بددعا کیا کرتے تھے لہٰذا

---

(۱) وسائل الشیعه ابواب القنوت حدیث ۲ .

(۲) وسائل الشیعه ابواب القنوت باب ۳ حدیث ۱ .

ممکن ہے کہ رکوع کے بعد ایک مہینے تک قنوت والی روایات اس بددعا والے قنوت سے مربوط ہوں اور ہمیشگی قنوت، رکوع سے پہلے والا ہے اور اس تفصیل کی شاھد ابو ہریرہ کی روایت ہے۔

عن ابی هريرةؓ ان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان اذا أرادأن يدعو على أحدٍ او يدعو لأحد قنت بعد الركوع . (۱)

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ حضورؐ جب کسی پر بددعا یا کسی کے حق میں دعا کرنے کا ارادہ کرتے تو رکوع کے بعد قنوت میں کرتے۔ لیکن چونکہ اہل بیتؑ حضورؐ کی سیرت کو بہتر جانتے ہیں لہٰذا ان کا فرمان اور انکی سیرت حجت ہے قنوت دوسری رکعت کی قراءت کے بعد رکوع سے پہلے ہے اور اس قنوت میں اعداء دین پر بددعا کی جاسکتی ہے چنانچہ حضرت علیؑ نے شام کے بڑے نواصب پر بددعا کی ہے۔

مٹی پر سجدہ:۔

مشہور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا :

جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً (۲)

میرے واسطے زمین جائے سجدہ اور پاک کنندہ قرار دی گئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاک پر سجدہ کیا کرتے تھے اور روایات اہل بیتؑ میں ہے کہ سجدہ زمین

---

(۱) نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۸۹.

(۲) مصدر نفسه ج ۱ ص ۳۰۴ و کتب دیگر.

پر یا ان چیزوں پر جو زمین سے اگتی ہوں پر کیا جا سکتا ہے مگر ماکول اور ملبوس یعنی جو چیزیں کھائی جاتی ہیں یا پہننے کے کام آتی ہیں ان پر سجدہ جائز نہیں۔ لہٰذا کپڑے کی دریوں یا قالینوں پر سجدہ نہیں ہو سکتا مٹی پر سجدہ کرنا چونکہ افضل ہے لہٰذا شیعہ حضرات مٹی کی سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں تا کہ سفر و حضر میں سجدہ کرنے میں مشکل پیش نہ آئے اور مٹی پر سجدہ کی فضیلت کو بھی پا سکیں۔ اور چونکہ روایات اہل بیت کرامؑ میں تربت حسینؑ پر سجدہ کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ لہٰذا تربت حسینؑ سے تیار کی گئی سجدہ گاہ کی اور بھی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ جب عام مٹی پر سجدہ کرنا افضل ہے تو قبر حسینؑ سے لی ہوئی مٹی پر سجدہ تو اور زیادہ افضل ہے۔

سجدہ شکر :۔

شیعہ نماز کے بعد سجدہ شکر بجا لاتے ہیں اور سجدہ شکر نعمت کے حصول پر ہوتا ہے خدا کو یاد کرنا اور اس کے حکم پر نماز جیسی عظیم عبادت کو بجا لانے کی سعادت سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا شیعہ حضرات سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں کہ خدا تو نے ہمیں عبادت کی توفیق بخشی ہے اور یہ ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہے جس کا ہم شکرانے کے طور پر سجدہ کر رہے ہیں جب کسی نعمت پر شکر ادا کیا جائے تو خدا اس نعمت میں اور اضافہ کر دیتا ہے (لئن شکر تم لا زید نکم)(۱)

---

(۱) (سورہ ابراھیم آیت ۷)

اور سجدۂ شکر میں پیشانی اور اپنے رخسار کو دائیں بائیں رکھنا مستحب ہے

نماز کے بعد سجدۂ شکر کرنے اور اس کی فضیلت کے بارے میں آئمہ اہل بیتؑ سے احادیث منقول ہیں۔ ان شئت التفصیل فراجع الی وسائل الشیعۃ وغیرہ۔

سجدۂ شکر اور اہل سنت:۔

عن ابی بکرۃ أن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان اذا أتاہ امر یسّرہ أو بشرہ بہ خر ّساجداً شکراً للہ تعالیٰ رواہ الخمسۃ الاالنسائی (۱)

ابی بکرۃ سے روایت ہے کہ حضورؐ کے پاس جب کوئی خوشحال کنندہ امر آتا یا ان کو کسی چیز کے بارے میں بشارت دی جاتی تو خدا کے لئے سجدۂ شکر کرتے تھے

اس روایت کونسائی کے سوا باقی سب آئمہ صحاح نے روایت کیا ہے۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے منذری نے کہا ہے کہ کہ سجدہ شکر کے بارے میں براٗ کی حدیث بسند صحیح نقل ہوئی ہے جناب شوکانی اس مقام میں چند ایک روایات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ احادیث سجدہ شکر کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں اور اسی چیز کی طرف، عترت، احمد، اور شافعی گئے ہیں یعنی ان کا بھی یہی نظریہ ہے، امام مالک اور ابوحنیفہ

---

(۱) نقل از نیل الاوطار شوکانی، ج ۳ ص ۱۱۹ باب سجدہ شکر طبع مصر۔

نے اس کو مکروہ کہا ہے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا سجدہ شکر کرنا روایات سے ثابت ہے باوجود اس کے مالک اور ابوحنیفہ کا سجدہ شکر سے انکار کرنا بہت عجیب بات ہے ۔(۱)

عن انس بن مالک ان النبیؐ بشر بحاجة فخر ساجداً (۲)

انس صحابی سے مروی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کو جب کسی حاجت کے پورا ہونے کی بشارت دی جاتی تو آپؐ سجدے میں گر جاتے تھے ۔ ابن ماجہ کے صفحہ ۱۰۰ پر ہی حاشیہ پر لکھا ہے کہ سجدہ کی چند قسمیں ہیں ان میں سے ایک سجدہ شکر ہے۔

و رابعھما سجدة الشکر علی حصول النعمة واندفاع بلیة

سجدہ کی چوتھی قسم سجدۂ شکر ہے سجدہ شکر نعمت کے حاصل ہونے پر اور بلا کے دور ہونے پر کیا جاتا ہے ۔ ابوحنیفہ کے نزدیک نماز کے بعد سجدۂ شکر کرنا مکروہ ہے اور سجدۂ شکر نہ کرنے پر ان کا اصرار ہے (۳)

حالانکہ اہل بیتؑ کا عمل نماز کے بعد سجدۂ شکر کرنے پر ہے ۔ واہل البیتؑ ادری بما فیہ (گھر والے بہتر جانتے ہیں کہ گھر میں کیا ہے) جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم اہل بیتؑ کو مانتے ہیں ہم ان لوگوں کی بات کو کیسے باور کرلیں کہ اپنے

---

(۱) ان شئت التفصیل فراجع الی نیل الاوطار ج ۳، ص ۱۲۰ .

(۲) سنن ابن ماجه ص ۱۰۰ ط کراچی .

(۳) الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۴۷۰ .

اعمال کو ابو حنیفہ وغیرہ کے فتووں کے مطابق بجالائیں اور زبان سے کہیں کہ اہل بیتؑ کو مانتے ہیں اہل بیتؑ کو وہی مانتا ہے جو ان کی متابعت کرتا ہے اور ان کے طریقے کے مطابق وضو، نماز، اور دیگر اعمال بجالاتا ہے۔

اور اہل بیتؑ کا عمل وضو میں پاؤں کے مسح اور نماز ہاتھ کھول کر پڑھنے پر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث ثقلین۔ جو کہ صحیح بلکہ متواتر ہے۔ میں اپنی امت کو قرآن اور اپنی عترت، اہل بیتؑ کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت سے ان کی بابت سوال کریں گے۔ ہم نے حق کو صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے اب آپ کی مرضی اس میں سے جو راستہ چاہیں اختیار کریں۔

جمع بین الصلوٰتین:۔ (دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا)

شیعہ کا نظریہ یہ ہے کہ نماز ظہر و عصر کو ملا کر پڑھنا جائز ہے اسی طرح مغرب اور عشاء کو ملا کر پڑھنا بھی جائز ہے چونکہ امام باقرؑ اور امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر کسی علت کے نماز ظہر اور عصر کو ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے (۱)

اور نماز مغرب اور عشاء کو بھی ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے جمع کی علت امت پر وسعت اور تخفیف ہے تاکہ امت حرج میں

(۱) وسائل الشیعہ کتاب الصلوٰۃ باب ۳۲ از ابواب المواقیت حدیث ۱ . ۱۱ .

نہ پڑ جائیں۔(۱)

امام صادقؑ اور امام کاظمؑ نے فرمایا: جب زوال شمس (سورج سرے ڈھل جائے) تو دونوں نمازوں ظہر اور عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔(۲)

لہٰذا دونوں نمازوں ظہر اور عصر کو اکٹھا پڑھنا جائز ہے اور اسی طرح مغرب کا وقت داخل ہونے کے بعد مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھنا بھی جائز ہے اور صحیح ہے۔ اور دو مقامات عرفات میں ظہرین اور مزدلفۃ میں، عشائین پر جمع بین الصلوٰتین پر پوری امت کا اتفاق ہے اس کے علاوہ باقی مقامات پر بھی شیعہ کا نظریہ یہ ہے کہ دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا جائز ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو خود سہولت دی ہے۔ اور اسی مطلب پر اہل سنت کی کتب میں بھی روایات ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کی سہولت کے لئے مدینہ میں بغیر کسی خوف یا بارش کے ظہر و عصر کو ملا کر پڑھا ہے اور مغربین کو بھی۔

عن ابن عباس ان النبیؐ صلّیٰ بالمدینہ سبعاً و ثمانیاً الظھر و العصر و المغرب و العشاء(۳)

---

(۱) وسائل الشیعہ کتاب الصلوٰۃ ب ۳۲ از ابواب المواقیت، حدیث ۲. ۳. ۴. ۵. ۸.

(۱) وسائل الشیعہ کتاب الصلوٰۃ باب ۴ از ابواب المواقیت حدیث ۸. ۹. ۱۰. ۱۱

(۲) صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۷ طبع کراچی.

ابن عباس سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے مدینہ میں رہ کر یعنی سفر نہ تھا سات رکعتیں مغرب اور عشاء کی اور آٹھ رکعتیں ظہر اور عصر کی ملا کر پڑھیں۔

عن عبد الله بن عباس قال صلّیٰ بنا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الظهر و العصر جميعاً و المغرب والعشاء جميعاً من غير خوف ولا سفر.(۱)

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا اور مغرب اور عشاء کو ملا کر پڑھا (حالانکہ) خوف بھی نہیں تھا اور سفر بھی نہیں تھا۔

عن ابن عباس قال جمع رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بين الظهر و العصر و المغرب و العشاء بالمدينة فی غير خوف و لا مطر قال فقيل لا بن عباس ما اراد بذلک قال اراده ان لا تحرج امته(۲)

ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سوائے خوف اور بارش کے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھا پھر ابن

---

(۱) (موطا امام مالک ص ۱۲۴ طبع کراچی باب الجمع بين الصلوتين فی الحضر و السفر)

(۲) (سنن ترمذی ج ۱ ص ۴۷ باب ما جاء فی الجمع بين الصلوتين سنن ابی داؤد ص ۱۷۱ باب الجمع بين الصلوتين و كتب ديگر)

عباس سے پوچھا گیا حضورؐ نے ایسا کیوں کیا تو ابن عباس نے کہا آپؐ نے ارادہ کیا کہ اپنی امت کو حرج نہ دیں۔ مخفی نہ رہے کہ سورہ ہود کی آیت ۱۱۴ اور سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۷۸ میں تین اوقات کا ذکر آیا ہے اگرچہ پانچ اوقات کی فضیلت اپنی جگہ پر مسلم ہے لیکن تین اوقات میں بغیر عذر کے جمع بین صلاتین بھی جائز ہے جیسا کہ گزر چکا ہے.

روایت ابن عباس اور تاویلات اہل سنت:۔

ابن عباس کی روایت جس میں حضورؐ کا جمع بین الصلوٰتین کا ذکر آیا ہے اس بارے میں علماء اہل سنت نے تاویلات کے باب کھول دیئے ہیں۔

پہلی تاویل:۔ حضورؐ کا جمع بین الصلوٰتین کرنا بیماری کی وجہ سے تھا۔

جواب:۔ حافظ فرماتے ہیں اس تاویل میں اشکال ہے کیونکہ اگر حضورؐ نے بیماری کی وجہ سے اکٹھی نمازیں پڑھی ہوں تو ان کی اقتداء صرف وہ لوگ کرتے جو صاحب عذر تھے حالانکہ ظاہر روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے اپنے سب صحابہ کے ساتھ اکٹھی نمازیں پڑھیں۔

قال الحافظ و فیه نظر لانه لو کان جمعه صلی الله علیه وآلهٖ وسلّم بین الصلوتین لعارض المرض لما صلی معه الا من له نحو ذلک العذر و الظاهر أنه صلی الله علیه و آلهٖ وسلّم جمع باصحابه(۱)

---

(۱) (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۳۰ باب تاخیر الظهر الی العصر طبع مصر) (نیل الاوطار شوکانی ج ۳ ص ۲۴۶ طبع مصر باب جمع المقیم لمطر أو غیرہ)

دوسری تاویل:۔

ومنها أنه كان فى غيم فصلى الظهر ثم انكشف الغيم مثلافبان أن وقت العصر قددخل فصلاها .

تاویلات سے ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ واقعہ جمع بین الصلوٰتین والا بادل کی وجہ سے ہوا ہے کہ حضورؐ نے نماز ظہر پڑھی جب بادل کھل گیا تو معلوم ہوا کہ نماز عصر کا وقت آ چکا ہے تو نماز عصر پڑھ لی۔

جواب:۔ علامہ نووی نے اس تاویل کو باطل قرار دیا ہے کیونکہ اس کا احتمال نماز ظہر وعصر میں ہوسکتا ہے لیکن مغرب وعشاء میں نہیں ہوسکتا۔

قال النووى و هو باطل لانه و ان كان فيه أدنى احتمال فى الظهر والعصر فلا احتمال فيه فى المغرب و العشاء(۱)

تیسری تاویل:۔

جمع صوری کی ہے۔توضیح ذلک۔ظہر کو آخر وقت میں پڑھا ہو اور عصر کو اول وقت میں بظاہر یہ دونوں نمازیں جمع معلوم ہوئیں درحقیقت ہر ایک کو اپنے وقت میں پڑھا گیا۔

جواب:۔شارح مسلم علامہ نووی فرماتے ہیں جمع صوری کا احتمال ضعیف

---

(۱) شرح النووى ص ۲۱۸ الجز الخامس طبع دار احياء التراث العربى بيروت)
(نيل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۶ .

یا باطل ہے کیونکہ یہ ظاہر کے مخالف ہے ایسی مخالفت کہ روایت اس تاویل کی متحمل نہیں ہو سکتی اور ابن عباس کا فعل جس کا ہم نے ذکر کیا ہے جبکہ آپ نے خطاب کیا تھا اور اپنے فعل کے صحیح ہونے پر ان کا اس حدیث سے استدلال کرنا اور ابو ہریرہ کا ان کے قول کی تصدیق کرنا اور ان کا انکار نہ کرنا یہ سب باتیں اس تاویل کو رد کرتی ہیں۔

قال النووی و هذا احتمال ضعیف او باطل لأنه مخالف لظاهر مخالفة لا تحتمل .

وفعل ابن عباس الذی ذکرنا حین خطب و استدلاله بالحدیث لتصویب فعله و تصدیقه أبی هریرة له و عدم انکاره صریح فی رد هذا التاویل.(۱)

نیز ابن مسعود کی روایت جس کو طبرانی نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جمع بین ظہرین اور مغربین کی تو ان سے پوچھا گیا ایسا آپؐ نے کیوں کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا :

صنعت هذا لئلا تحرج أمتی

میں نے اس لئے اکٹھی نمازیں پڑھیں ہیں تا کہ میری امت حرج میں نہ

(۱) صحیح مسلم شرح النووی ص ۲۱۸ جزء خامس)، (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۶ .

پڑے۔تو حافظ عسقلانی فرماتے ہیں نفی حرج کا ارادہ حدیث کو جمع صوری پر حمل کرنے میں مضر ہے۔کیونکہ اس کا قصد حرج سے خالی نہیں ہے۔(۱)

اشکال :۔ ابن عباس سے یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ جس نے بغیر عذر کے دونمازوں کو اکٹھا پڑھا اس نے بڑا گناہ کیا۔

جواب :۔اہلسنت کے علامہ شوکانی فرماتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں حنش بن قیس ہے اور وہ ضعیف ہے(۲)

دارقطنی نے اسے متروک کہا ہے(۳)

اشکال :۔ مقام میں جمع بین الصلوتین والی روایت جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکٹھی نمازیں پڑھنا ذکر ہوا ہے اس روایت ابن عباس پر علماء نے عمل نہیں کیابعبارۃ اخری جمہور نے اس سے اعراض کیا ہے۔

جواب :۔علامہ شوکانی فرماتے ہیں آپ پر مخفی نہ رہے کہ یہ حدیث صحیح ہے

---

(۱) فتح الباری ج ۲ ص ۳۱ .

(۲) نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۸ .

(۳) سنن الدارقطنی جز ا ول ص ۳۹۵ باب صفه الصلوٰة فی السفر و الجمع بین الصلوٰتین من غیر عذر . طبع عالم الکتب بیروت)

اور جمھور کا اس پر عمل نہ کرنا حدیث کی صحت میں مضر نہیں ہے اور حدیث سے استدلال کے سقوط کا موجب بھی نہیں بنتا اور بعض اہل علم نے اس پر عمل کیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ولا يخفاک أن الحديث صحيح و ترک الجمهور للعمل به لايقدح فی صحته و لا يو جب سقوط الاستدلال به وقد أخذ به بعض أهل العلم كما سلف .(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ اوّلاً تو بعض اہل علم نے اس حدیث پر عمل کیا ہے وثانیاً اعراض جمھور، حدیث کی صحت میں قادح نہیں ہے۔

(۱) نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۸، طبع مصر .

باب سوم

در تکبیرات جنازه

۹۵ ۱۵۲

یہ بات تمام مسلمانوں پر واضح ہے کہ ہمیں بحکم قرآن، رسول خداؐ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول کریمؐ کا ہر ایک قول فعل اور تقریر حجت ہے اور حضورؐ نے اپنی مبارک زندگی میں احکام خدا کو واضح بیان فرمایا ہے اور عمل کر کے دکھلایا ہے لیکن مع الاسف حضورؐ کے بعد ان کے کئی ایک اقوال اور افعال پر پردے ڈال دیئے گئے اور حضورؐ کے عمل کے مقابلے میں اپنے ذاتی اجتھاد کو مقدم سمجھ کر لوگوں پر مسلط کر دیا گیا۔

فقہی حوالے سے اہل سنت اور شیعہ کے اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ نماز جنازہ کی تکبیروں کا بھی ہے اہل سنت چار تکبیریں پڑھتے ہیں اور شیعہ حضرات پانچ تکبیریں اور ہم نے اس باب میں واضح کیا ہے کہ حضور اکرمؐ کا پانچ تکبیریں پڑھنا اہل سنت کی صحیح روایات سے ثابت ہے۔ چونکہ اس موضوع پر کوئی مستقل رسالہ نظر سے نہیں گزرا لہذا اس مسئلہ پر ذرا تفصیل سے بحث کریں گے دعا گو ہوں کہ خداوند متعال بحق سید الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے معاشرے سے جہالت اور تعصب کو دور فرمائے اور تمام مسلمانوں کو حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پانچ تکبیریں

زید بن ارقم صحابی کی گواہی کہ رسول خداؐ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھتے تھے:

عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قال کان زید بن ارقم یکبر علیٰ جنائزنا اربعاوانه کبر خمسا علیٰ جنازة فسألته فقال کان رسول الله یکبرها.(۱)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں: زید بن ارقم ہمارے جنازوں پر چار

---

(۱)صحیح مسلم کتاب الجنائز. سنن ابوداؤد باب التکبیر علی الجنازة حدیث نمبر ۳۱۹۷ سنن ترمذی کتاب الجنائز باب ۳۷ ماجاء فی التکبیر علی الجنازة حدیث نمبر ۱۰۲۳. سنن نسائی باب عدد التکبیر علی الجنازة، سنن ابن ماجه ج۱ کتاب الجنائز باب ماجاء فیمن کبر خمسا حدیث نمبر ۱۵۵. نیل الاوطار جلد ۴ ص ۶۵ طبع مصر باب عدد تکبیر صلوٰة الجنائز، بدایة المجتهد ج ۱ ص ۲۴۱ الفصل الاول فی صفة صلوٰة الجنازة.

تکبیریں پڑھتے تھے اور انہوں نے ایک جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں جب میں نے (اس کی علت کے بارے میں) سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ رسول خداؐ پانچ تکبیریں پڑھتے تھے۔

زید بن ارقم صحابی نے گواہی دی ہے کہ بانی شریعت رسول خداؐ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھتے تھے۔

نوٹ: مذکورہ حدیث کے جملہ "کان رسول اللہ یکبرھا" کے ذیل میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔ استدل بہ من قال ان تکبیر الجنازۃ خمس۔ جو لوگ جنازہ میں پانچ تکبیروں کے قائل ہیں وہ اس عبارت سے استدلال کرتے ہیں۔

امام ترمذی کی گواہی کہ بعض اصحاب نبیؐ اور علماء کا نظریہ پانچ تکبیروں کا تھا

۲۔ ترمذی شریف میں مذکورہ بالا حدیث کے ذیل میں یوں مرقوم ہے۔

قال ابو عیسیٰ حدیث زید بن ارقم حدیث حسن صحیح و قد ذھب بعض اھل العلم الی ھٰذا من اصحاب النبی وغیرھم رأوا التکبیر علی الجنازۃ خمساً.

ابو عیسیٰ فرماتے ہیں زید بن ارقم کی حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اصحاب نبیؐ اور دوسرے اھل علم کا نظریہ ہے کہ نماز جنازہ کی پانچ تکبیریں ہیں۔

۳۔ حذیفہ صحابی کا نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھنا اور گواہی دینا کہ حضور بھی اسی طرح پڑھتے تھے۔

عن حذيفة انه صلىٰ علىٰ جنازة فكبر خمساثم التفت فقال مانسيت ولا وهمت ولكن كبرت كماكبرالنبى صلى الله عليه وآله وسلم صلى على جنازة فكبر خمسا.(۱)

خلاصہ: حذیفہ نے ایک جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے میں نے بھول چوک کر پانچ تکبیریں نہیں پڑھیں میں نے اتنی مقدار میں تکبیریں پڑھی ہیں جتنی مقدار میں رسول خداؐ پڑھتے تھے آنحضرتؐ نے ایک جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں۔

۴۔ جناب عیسیٰ مولا حذیفہ کی گواہی۔

جرير الضبى عن يحيى الجابر قال صلى بنا عيسىٰ مولى حذيفة علىٰ جنازة فكبر خمساثم قال اماوالله مانسيت ولاسهوت ولكن فعلت كمافعل العبدالصالح حذيفة رضى الله عنه وقال والله مانسيت ولا سهوت ولكن رايت نبيكم صلى الله عليه وسلم كبر خمسا".(۲)

جریر ضبی یحییٰ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا عیسیٰ مولیٰ حذیفہ نے

---

(۱) رواہ احمد: نیل الاوطار ج۴ ص۶۸ طبع مصر.

(۲) میزان الاعتدال ذھبی ج ۲ ص ۶۳ طبع مصر.

ہمارے ساتھ ایک جنازہ پر نماز پڑھی انہوں نے پانچ تکبیریں پڑھیں اور کہا آگاہ رہو خدا کی قسم مجھ سے سہو ونسیان نہیں ہوا لیکن میں نے ایسا ہی کیا ہے جیسے عبد صالح حذیفہ صحابی نے کیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ خدا کی قسم۔ مجھ سے سہو ونسیان نہیں ہوا لیکن میں نے تمہارے نبیؐ کو پانچ تکبیریں پڑھتے دیکھا ہے۔

۵۔ ابن مسعود صحابی بھی نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھتے تھے۔

روی ابن المنذر عن ابن مسعود انه صلیٰ علیٰ جنازة رجل من بنی اسد فکبر خمسا. (۱)

ابن منذر نے روایت کی ہے کہ ابن مسعود نے بنی اسد کے ایک مرد کے جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں۔

۶۔ علامہ شوکانی کی گواہی کہ عترت نبیؐ اور بزرگ صحابہ پانچ تکبیریں پڑھتے تھے۔

(قوله کان رسول الله یکبرها) استدل به من قال ان تکبیر الجنازة خمس وقد حکاه فی البحر عن العترة جمیعا وابی ذر

---

(۱) فتح الباری ج ۳ ص ۲۴۰ باب التکبیر علیٰ الجنازة، نیل الاوطار شوکانی ج ۴ ص ۶۶ باب عدد تکبیر صلوٰة الجنائز

و زید بن ارقم و حذیفة و ابن عباس و محمد بن الحنفیة و ابن ابی لیلیٰ .(۱)

عبدالرحمٰن کی روایت کے آخر میں یہ عبارت تھی ''کان رسول اللہ یکبر ھا'' تو اس کے ذیل میں اھل سنت کے علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ جو لوگ نماز جنازہ کی پانچ تکبیروں کے قائل ہیں انہوں نے اس جملہ سے استدلال کیا ہے پھر فرماتے ہیں اس چیز کی حکایت بحر میں تمام عترت نبیؐ سے نقل ہوئی ہے۔

حضرت ابوذر زید بن ارقم، حذیفہ، ابن عباس، محمد بن حنفیہ اور ابن ابی لیلیٰ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھتے تھے۔

۷۔ حضرت علی مرتضیٰؑ نے نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھیں۔

عبدالرزاق عن معمر عن حماد عن ابراھیم ان علیا کبر علیٰ جنازة خمسا .(۲)

ابراہیم سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں۔

---

(۱) نیل الاوطار شوکانی ج ۴ ص ۶۶ .

(۲) المصنف حافظ عبدالرزاق جزء ۳ ص ۴۸۱ باب التکبیر علیٰ الجنازة .

منشاء اختلاف:

نماز جنازہ کی تکبیروں میں اختلاف کی کیا وجہ ہے۔

کان النبی یکبر علی الجنائز اربعاو خمسا و سبعاو ثمانیا حتی جاء موت النجاشی فخرج فکبر اربعاالخ. (۱)

ابن عبدالبراپی بکر بن سلیمان کی طریق سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ جنازوں پر چار، پانچ، سات اور آٹھ تکبیریں پڑھتے تھے یہاں تک کہ نجاشی کی موت ہوئی پس نکلے اور چار تکبیریں پڑھیں۔

نوٹ:۔ نماز جنازہ کی اصل میں پانچ تکبیریں ہیں اس سے زیادہ تکبیریں میت کی تعظیم اور اس کی بزرگی کی خاطر پڑھی جاتی تھیں۔ اس بات کی تائید حضرت علیؑ کے قول سے ہوتی ہے۔

عن علی انہ کبر علی سھل بن حنیف ستا و قال انہ شھد بدرا. (۲)

حضرت علیؑ نے سہل بن حنیف صحابی پر نماز جنازہ میں چھ تکبیریں پڑھیں اور فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بدر میں شرکت کی تھی۔

---

(۱) نیل الاوطار ج ۴ ص ۶۵.

(۲) المصنف جزء ۳ ص ۴۸۰ رواہ البخاری: نیل الاوطار ج ۴ ص ۶۸.

مزید تائید مطلب:

وعن الحکم بن عتیبہ انہ قال کانوایکبرون علیٰ اھل بدر خمساً وستاً و سبعاً.(۱)

حکم بن عتیبہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا صحابہ کرام اہل بدر پر پانچ چھ اور سات تکبیریں پڑھتے تھے۔

نوٹ:۔ پانچ تکبیریں طبق اصل پڑھیں جاتی تھیں جیسا کہ گزشتہ روایات سے معلوم ہوتا ہے اور اس سے زیادہ اگر کوئی پڑھتا تو وہ ان کی عظمت کی خاطر ہوتی تھیں۔(البتہ واجب نہیں تھیں)۔

والشاھد علی ذلک:

وفی فعل عليٍ دليل علیٰ استحباب تخصيص من له فضيلة باكثار التكبير عليه وكذٰلک فی رواية الحكم بن عتيبة عن السلف وقد تقدم من فعله صلی الله عليه وآله وسلم بصلوٰته علی حمزة مايدل علی ذالک...(۲)

علامہ شوکانی فرماتے ہیں: حضرت علیؑ کے فعل میں استحباب پر دلیل ہے

---

(۱) نیل الاوطار ج۴ ص۶۸.

(۲) مذکورہ حوالہ.

کہ جو لوگ صاحب فضیلت ہوں ان پر تکبیریں بڑھائی جاسکتی ہیں اور اسی طرح حکم بن عتیبہ کی روایت جو سلف سے نقل ہوئی ہے اس سے بھی یہی نکلتا ہے اور حضور اکرمؐ کا حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ پر زیادہ تکبیریں پڑھنا بھی اس مطلب کی دلیل ہے۔

ابوالبشر حضرت آدمؑ صفی اللہ پر نماز جنازہ

قال ابن عباس لما مات اٰدم قال شيث لجبرائيل صل عليه فقال تقدم انت فصل على ابيکٰ فکبّر عليه ثلاثين تکبيرة فاماخمس فهی الصلوٰة و اماخمس و عشرون فتفضيلا لاٰدمؑ.(۱)

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضرت آدمؑ رحلت کر گئے تو حضرت شیثؑ نے جبرائیل کو کہا کہ ان پر نماز پڑھیں جبرائیل نے ان سے کہا آپ آگے بڑھیے اور اپنے باپ پر نماز پڑھیں۔

پس حضرت شیثؑ نبی نے تیس تکبیریں ان پر پڑھیں پانچ تکبیریں تو اصل نماز جنازہ کی تھیں اور پچیس تکبیریں حضرت آدمؑ کی فضیلت و بزرگی کی وجہ سے پڑھیں۔

نوٹ:۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کی اصل تکبیریں پانچ ہیں اور صاحب فضیلت کے لئے اس سے زائد بڑھائی جاسکتی ہیں البتہ یہاں یہ بھی

---

(۱) الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۵۲ ذکر وفاۃ اٰدمؑ.

ممکن ہے کہ حضرت شیثؑ نے ان پر چھ مرتبہ نماز جنازہ پڑھی ہو۔

پس معلوم ہوا کہ سب سے پہلے روئے زمین پر جو جنازہ ہوا اس پر پانچ تکبیریں بعنوان اصل نماز جنازہ کے پڑھی گئیں۔ جس نے جنازہ پڑھا وہ بھی نبیؑ تھا اور جس پر جنازہ پڑھا گیا وہ بفرمان قرآن خلیفۃ اللہ فی الارض تھا۔ فافھم و تدبر جیدا.

نوٹ:۔ بعض اہل سنت چار تکبیروں پر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیل اور ملائکہ نے حضرت آدمؑ پر چار تکبیریں پڑھی تھیں جواب یہ ہے کہ یہ روایات ضعیف السند ہیں نمونہ کے طور پر چند روایات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حدثنا محمد بن مخلد ثنا احمد بن محمد بن سلمان العلاف ثنا صباح بن مروان ثنا عبدالرحمن بن مالک بن مغول عن عبدالله بن مسلم بن هرمز عن سعید بن جبیر و عروة ابن عباس قال صلی جبرائیل علیه السلام علیٰ ادم علیه السلام کبر علیه اربعا صلی جبرئیل بالملائکه یومئذ... عبدالرحمن بن مالک بن مغول متروک. (۱)

عبارت کا ملخص یہ ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے حضرت آدمؑ کی نماز جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں۔

---

(۱) سنن دار قطنی جزء ۲ ص ۷۰ کتاب الجنائز باب قبر ادمؑ والتکبیر علیه اربعاً.

نوٹ:۔ مصنف نے روایت ذکر کرنے کے بعد سند پر خود ہی اشکال کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مغول راوی متروک ہے۔

حدثنا محمد بن مخلد ثنا محمد بن الولید القلانی ابو جعفر المخدی ثنا الھثیم بن جمیل ثنا مبارک بن فضالة عن الحسن عن انس کذا قال کبرت الملائکة علیٰ اٰدم اربعاً و کبر ابوبکر علی النبی صلی اللہ علیه وسلم اربعاًو کبر عمر علیٰ ابی بکر اربعاًو کبر صھیب علیٰ عمر اربعا و کبرالحسن بن علیٍ علیٰ علیٍ اربعاً و کبرالحسین بن علی علی الحسن اربعاً محمد ابن الولید ھٰذا ضعیف. (۱)

مصنف نے ایک اور روایت کو اپنی اسناد کے ساتھ یوں بیان فرمایا ہے ملائکہ نے حضرت آدمؑ پر چار تکبیریں پڑھیں ابوبکر نے حضورؐ پر چار تکبیریں پڑھیں عمر نے ابوبکر پر صہیب نے عمر پر حسنؑ نے علیؑ پر حسینؑ نے حسنؑ پر چار تکبیریں پڑھیں۔

نوٹ:۔ مصنف فرماتے ہیں کہ سلسلہ سند میں محمد بن ولید ہے اور یہ ضعیف شخص ہے۔

---

(۱)سنن دار قطنی جز ۲ ص ۷۲. ۷۱ کتاب الجنائز باب مکان قبر اٰدمؑ والتکب علیه اربعاً حدیث ۵.

نوٹ:۔ یاد رہے مذکورہ باب میں دار قطنی نے کل پانچ روایات ذکر کی ہیں اور سب ضعیف السند ہیں۔

روایت نمبرا:۔ کی سند میں عبدالرحمان بن مالک بن مغول ہے وھو متروک.

روایت نمبر۲:۔ کی سند میں عثمان بن سعد ہے: قال النسائی لیس بقوی وقال مرۃ لیس بثقه.

روایت نمبر۳:۔ کی سند میں رحمۃ بن معصب ہے: قال ابن معین لیس بشئی.

روایت نمبر۴:۔ کی سند میں خارجہ ہے: لعله هوا بن مصعب ضعفه غیر واحد.

روایت نمبر۵:۔ کی سند میں محمد بن ولید ہے: ھذا ضعیف.(۱)

وقد اختلف السلف فی ذلک.

علامہ عسقلانی اور علامہ شوکانی لکھتے ہیں نماز جنازہ کی تکبیروں میں بزرگان دین کے درمیان اختلاف تھا۔

سعید بن میبّب سے صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہے۔

کان التکبیر اربعاً و خمسا.(۲)

---

(۱) ملاحظه هو سنن الدار قطنی مع حاشیه.

(۲) فتح الباری ج ۱ ص ۱۴۱ ۲ کتاب الجنائز. نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۶

قال علی بن الجور حدثنا شعبہ عن عمرو بن مرۃ سمعت سعید بن المسیب بقول عمر قال کل ذٰلک قد کان اربعا و خمسا.

بقول جناب عمر نماز جنازہ کی تکبیریں چار اور پانچ تھیں۔

نتیجہ کلام:۔

چار اور پانچ تکبیروں کے دوران کا حل یوں ہے۔ نماز جنازہ میں چار تکبیریں منافقین پر پڑھی جاتی تھیں پانچ تکبیریں اصل نماز کے عنوان سے تھیں اور اس سے زائد فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے پڑھی جاتی تھیں۔ (جیسے حضرت حمزہؓ اور اہل بدر کی نماز)

چار یا پانچ تکبیروں کی روایات میں سے صحیح کیا ہے؟

ابن قیم فرماتے ہیں:

صح عنہٗ انہ کبر خمسا. (۱)

حضور اکرمؐ سے صحیح روایات سے منقول ہے کہ آپ نے نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھی ہیں۔

اہل سنت اور شیعہ حضرات کی کتب احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ رسول خداؐ بعض جنازوں پر چار تکبیریں پڑھتے تھے اور بعض پر پانچ پڑھتے تھے البتہ

---

(۱) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج ۱ ص ۵۷ (ذکر جنائز)

صحابہ کرام نے اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ ایسا کیوں کیا لیکن اهل بیتؑ کی روایات میں اس کی وجہ امام جعفر صادقؑ نے صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ (اهل البیت ادری بمافیه) کہ منافق پر چار اور مومن پر پانچ تکبیریں پڑھتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں۔(۱)

عن ابی عبدالله قال کان رسول الله یکبر علی قوم خمساً و علی قوم اٰخرین اربعاً فاذا کبّر علی رجل اربعاً اتهم یعنی بالنفاق.

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں حضور اکرمؐ کچھ لوگوں پر پانچ تکبیریں پڑھتے تھے اور کچھ پر چار تکبیریں پڑھتے تھے جب کسی پر آپ چار تکبیریں پڑھتے تھے تو اسے منافق سمجھا جاتا تھا۔

نوٹ:۔ جب حضور کو منافقین کی صلوۃ سے ممانعت ہوئی تو آپ اس کے بعد منافقین پر چار تکبیریں پڑھتے تھے یعنی منافق میت کے لئے دعائے مغفرت نہیں پڑھتے تھے۔ پس معلوم ہوا چار تکبیریں اهل نفاق پر پڑھی جاتی تھیں اور پانچ تکبیریں اهل ایمان پر پڑھی جاتی تھیں۔ کمالا یخفیٰ۔

---

(۱) فروع کافی تالیف ثقة الاسلام محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ۔ ۳۲۸ھ کتاب الجنائز باب علة تکبیر الخمس علی الجنائز.

وسائل الشیعه ج ۱ ص ۷۷۲ کتاب الطهارة باب وجوب التکبیرات الخمس فی صلوٰة الجنازة حدیث نمبر ۱.

زید بن ارقم کا نماز جنازہ میں بعض پر چار اور بعض پر پانچ تکبیریں پڑھنا حدیث فروع کافی کے صدق پر زندہ شہادت ہے۔

ا۔ رسول خداؐ منافقین کے ساتھ کفار والا معاملہ نہیں کرتے تھے۔ کمالا یخفیٰ اور آیہ شریفہ: **ولاتصل علی احد منهم مات ابدا ولاتقم علی قبره.**

یہ نہی تمام منافقین کے بارے میں نہیں ہے بلکہ ان کی ایک مخصوص جماعت کے بارے میں تھی کہ اصلا ان کی نماز بھی نہ پڑھی جائے اور ان کی قبر پر کھڑا ہونا بھی ممنوع ہے۔

والشاہد علی ذلک:۔

حضرت حذیفہ صحابی کا بیان ہے کہ انہوں نے فرمایا ایک دن مجھے رسول خداؐ نے راز کی بات بتائی اور راز فاش کرنے سے بھی منع فرمایا (اہل سنت حذیفہ صحابی کو رسول خداؐ کا راز دان سمجھتے ہیں) وہ یہ تھی کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے فلاں فلاں کی نماز کے بارے میں نہی کی گئی ہے (وہ منافقین کے کچھ لوگ تھے) یہی وجہ ہے کہ عمر اپنے دور حکومت میں حذیفہ کو نماز جنازہ کے لئے ساتھ لے جاتے تھے اگر حذیفہ ان کے ساتھ چل پڑتے تو وہ اس شخص کی نماز پڑھتے تھے اور اگر حذیفہ جانے سے انکار کر دیتے تو وہ ان پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔(۱)

---

(۱) تفسیر روح البیان تفسیر آیة ۸۴ سورة توبه، جزء ۳ ص ۴۷۸ تالیف الشیخ اسماعیل حقی، تفسیر القاسمی ج۸ صفحه ۲۸۶ طبع بیروت. تالیف محمد جمال الدین القاسمی.

نوٹ:۔ جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ وہ بارہ شخص تھے۔ (تفسیر القاسمی)
آیہ شریفہ کی تفسیر میں اہل سنت کے اقوال مضطرب ہیں محققین متوجہ رہیں۔

خاندان نبوت کے امام رضا علیہ السلام کا فرمان۔

محمد بن الحسن باسناده عن احمد بن محمد عن اسماعيل بن سعد الاشعرى عن ابى الحسن الرضاؑ قال سألته عن الصلوٰة على الميت فقال اماالمؤمن فخمس تكبيرات و اماالمنافق فاربع.(۱)

اسماعیل کا بیان ہے کہ میں نے امام رضاؑ سے نماز جنازہ کے بارے میں سوال کیا امام علیہ السلام نے فرمایا: مومن کے لئے پانچ تکبیریں ہیں اور منافق کے لئے چار۔

آخری استدلال:۔

اہلسنت کا آخری استدلال کہ حضورؐ نے آخری جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں۔

حدثنا محمد بن مخلد ثنا احمد بن الوليد الفحام و يحيىٰ بن زيد بن يحيىٰ الفرازى قالانا خينس بن بكر بن خنيس ثناالفرات

(۱) وسائل الشيعه ج ۱ باب وجوب تكبيرات الخمس فى صلوٰة الجنازة حديث نمبر ۵.

بن سلیمان الجزری کذا قال الفحام عن میمون بن مهران عن عبدالله بن عباس قال کان اٰخر ماکبر النبی صلی الله علیه وسلم علی الجنازة اربعا و کبر عمر علیٰ ابی بکر اربعاً و کبر عبد اللہ بن عمر علی عمر اربعا و کبر الحسن بن علی علی علي اربعا و کبر الحسین علی الحسن اربعا و کبرت الملائکة علیٰ اٰدم علیه السلام اربعا: انما هو فرات بن السائب متروک الحدیث.(۱)

ابن عباس کے بیان کا ملخص یہ ہے کہ حضورؐ نے آخری نماز جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں۔ عمر نے ابوبکر پر عبداللہ نے عمر پر حسنؑ نے علیؑ پر امام حسینؑ نے حسنؑ پر چار تکبیریں پڑھیں اور ملائکہ نے حضرت آدمؑ پر چار تکبیریں پڑھیں۔

تذکر:۔ مصنف ذکر روایت کے بعد فرماتے ہیں سند میں فرات راوی ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔

مزید تحقیق۔

قال الحافظ وروی هٰذااللفظ من وجوه اخر کلها ضعیفة.(۲)

(۱) سنن دارقطنی کتاب الجنائز باب التسلیم فی الجنازة واحد و التکبیراربعا و خمسا ج ۲ ص ۷۲ طبع بیروت.

(۲) نیل الاوطار ج ۴ ص ۶۷ طبع مصر.

حافظ فرماتے ہیں حضورؐ کا آخری نماز جنازہ جس میں چار تکبیروں کا ذکر ہے اس کی کئی ایک طریق سے روایت کی گئی ہیں۔ لیکن تمام کی تمام روایات ضعیف السند ہیں۔

اس مضمون کی روایت کو علامہ متقی ھندی اپنی معتبر کتاب کنز العمال ج ۱۵ صفحہ ۷۱۸ طبع بیروت حدیث نمبر ۴۲۸۶۳، صلوۃ الجنائز میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وفیہ فرات ابن السائب. قال البخاری منکر الحدیث ترکوہ. اس میں راوی فرات بن سائب ہے جس کے بارے میں امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی حدیث منکر ہے محدثین نے اسے متروک قرار دیا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر احمد بن علی عسقلانی نے اپنی کتاب المطالب العالیتہ بزوائد المسانید الثمانیة جلد اوّل ص ۲۱۶ باب التکبیر علی الجنازہ حدیث نمبر ۷۶۷ میں اس مضمون کی روایت کو نقل کیا ہے اور آخر میں ضعیف قرار دیا ہے۔

خلاصۃ الکلام:۔

حضورؐ کا آخری جنازے میں چار تکبیریں پڑھنا اہل سنت کی کتب میں صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے۔ برفرض حضورؐ نے آخری نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھی بھی ہوں تو پھر بھی اہل سنت کا استدلال تمام نہیں کیونکہ ممکن ہے حضرتؐ نے آخری نماز جنازہ کسی منافق کا پڑھا ہو اور اس پر چار تکبیریں پڑھی ہوں۔ اذا جاء

الاحتمال فبطل الاستدلال.

چار تکبیروں پر جمع۔

چار تکبیروں پر لوگوں کو جمع کرنا یہ عمر کا کارنامہ ہے۔ علما اہل سنت کی تصریحات کے چند نمونے۔

۱۔ جمع عمر الناس علی اربع. (۱) عمر نے لوگوں کو چار تکبیروں پر اکٹھا کر دیا۔

۲. اوّل من جمع الناس فی صلوٰۃ الجنائز علیٰ اربع تکبیرات. (۲)

عمر وہ پہلا شخص ہے جس نے لوگوں کو نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر جمع کیا۔

۳. روی البیقھی ایضا عن ابی وائل قال کانو ایکبرون علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اربعا و خمسا و ستا وسبعا فجمع عمر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فاخبر کل رجل منھم بمارای فجمعھم عمر علیٰ اربع تکبیرات. (۳)

بیہقی نے نیز ابی وائل سے روایت کی ہے (ان کا بیان ہے) حضور اکرمؐ

(۱) فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۴۱.
(۲) تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۵۰ طبع مصر: الاوائل عسکری ص ۱۱۳ طبع بیروت: الفاروق شبلی نعمانی.
(۳) نیل الاوطار شوکانی ج ۴ ص ۶۶ طبع مصر باب عدد تکبیر صلوٰۃ الجنائز.

کے زمانے میں اصحاب نماز جنازہ میں چار، پانچ، چھ اور سات تکبیریں پڑھتے تھے

پھر عمر نے اصحاب رسول اللہؐ کو اکٹھا کیا ہر ایک نے ان میں جو کچھ دیکھا اس کی خبر دی

پھر عمر نے ان کو چار تکبیروں پر اکٹھا کر دیا۔

تذکر:۔اس اکٹھ کو اہل سنت کے علماء نے اجماع سے تعبیر کیا ہے اور اہل سنت کے نزدیک چار تکبیروں پر عمدہ دلیل یہی اجماع ہے۔(کما فی شرح النووی وغیرہ)

اما الجواب:۔

عمل نبیؐ کے مقابلے میں اس اکٹھ کی ضرورت ہی نہیں تھی اور شرعاً ایسے اکٹھ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ابو بکر کے دور میں بھی صحابہ کرام بعض جنازوں پر چار اور بعض پر پانچ تکبیریں پڑھتے تھے انہوں نے صحابہ کو چار تکبیروں پر اکٹھا نہیں کیا۔

عمر کے کچھ عرصہ تک یہی طریقہ رہا لیکن اس بزرگ نے لوگوں کو چار تکبیروں پر اکٹھا کر دیا۔

اہل سنت کی روایت کے مطابق عبداللہ بن عمر نے زید بن عمر اور اس کی ماں کے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں تو ابن عباس، حسینؑ بن علیؑ اور ابن حنفیہ نے اس کی مخالفت کی۔(۱)

---

(۱) نیل الاوطار، ج۴، ص ۶۶.

اولاً: اجماع اصطلاحی متحقق ہی نہیں ہوا کما لا یخفی (والا شکال صغروی)۔

وثانیاً: برفرض یہ اجماع متحقق بھی ہوا ہو تو بناء بر مسلک تحقیق یہ اجماع حجت نہیں ہے چونکہ نہ صرف معصوم کے قول و فعل کی تائید اسے حاصل نہیں ہے بلکہ معصوم کے قول اور فعل کے خلاف ہے۔ (والا شکال کبروی)

وثالثاً: لو تنزلنا عن ذلک. پھر بھی بنا بر مسلک تحقیقی اصولی اہل سنت کا مدعیٰ ثابت نہیں ہوتا۔

توضیح ذلک. انعقاد اجماع کی دو صورتیں متصور ہیں ایک یہ کہ امت خود بخود کسی امر پر متفق ہو جائے (اگرچہ اہل سنت کی دلیل حجیت اجماع سنداً و دلالۃً مناقشہ سے خالی نہیں ہے) دوسری یہ کہ چند لوگوں کو بعض دواعی کی خاطر بلا کر صلاح و مشورہ کروانے کے بعد کسی بات پر اکٹھا کر دیا جائے کما فی المقام۔ یہ دوسری صورت مشکوک الحجیہ ہے اور چونکہ اجماع لبی دلیل ہے اور ایسے مقامات پر قدر متیقن پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ اجماع کی پہلی صورت ہے جو کہ اس مقام پر مفقود ہے۔ پس اہل سنت کی عمدہ دلیل اجماع نا قابل قبول ہے۔ (فافهم و تدبر جیدا)۔

نوٹ:۔ نیز خلافت ابوبکر پر اہل سنت کی عمدہ دلیل اجماع ہے جو کہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ صاحبان تحقیق معتبر کتب اصولیہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

خلاصۃ الکلام:۔

رسول اللہؐ کے عمل کے مقابلے میں اس طرح کے اکٹھ کی ضرورت ہی نہیں تھی تکبیرات کا اختلافی ہونا نماز جنازہ سے منافاۃ نہیں رکھتا تھا چونکہ ہر ایک کے لئے اس کی شان کے مطابق نماز پڑھی جاتی تھی اور چار تکبیر پر اجماع کئی لحاظ سے مخدوش بھی ہے۔ یاد رہے کہ اہل بیت نبوت کا قول اور عمل پانچ تکبیروں پر ہے۔ واھل البیت ادری بمافیہ۔ پس ان کے قول اور فعل پر عمل کرنا متعین ہے۔

تتمہ۔ جمع بین الاقوال یا احتیاط در اقوال۔

مخفی نہ رہے احتیاط کا تقاضا بھی اکثر یعنی پانچ تکبیروں کی ادائیگی میں ہے جیسا کہ اہل سنت کے بعض علماء نے اپنی عبارات میں اشارہ کیا ہے لیکن ان علماء پر ایک اعتراض کیا گیا ہے وہ یہ کہ پھر چاہیے پانچ تکبیروں سے زائد والی احادیث پر عمل کرنا سزاوار تر ہو کیونکہ ان میں پانچ سے زیادہ تکبیرات کا ذکر موجود ہے۔ (جیسے بدری صحابہ اور حضرت حمزہؑ کی نماز جنازہ)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے سابقہ اوراق میں ثابت کیا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک نماز جنازہ کی تکبیروں کا دوران چار اور پانچ میں تھا اس سے زائد تکبیریں صرف صاحب فضیلت شخص کے لئے پڑھی جاتی تھیں لیکن ہماری بحث اصل نماز جنازہ میں ہے لہٰذا اعتراض وارد نہیں۔ (اور فضیلتی جنازہ کا کسی کو کوئی انکار نہیں) پس مومنین کے لئے پانچ تکبیریں اصالتہ واحتیاطاً دونوں طرح ثابت ہیں۔

امام ابو یوسف کا نظریہ۔

وفی المبسوط للحنفية قيل ان ابايوسف قال يكبر خمسا.(۱)

حنفیوں کی کتاب مبسوط میں ایک قول کے مطابق اہل سنت کے امام ابو یوسف نے کہا کہ پانچ تکبیریں پڑھی جائیں گی۔

امام احمد کا فتویٰ۔

اہل سنت کے امام احمد کا فتویٰ کہ پانچ تکبیروں والا جنازہ صحیح ہے۔

قال احمد واسحق اذا كبر الامام على الجنازة خمسا فانه يتبع الامام.(۲)

احمد اور اسحاق فرماتے ہیں جب امام، جنازہ پر پانچ تکبیریں (اگر چہ عمداً) پڑھ دے تو امام کی متابعت کی جائے گی۔ (یعنی ماموین بھی پانچ تکبیریں پڑھیں)

اہل سنت کے فرقہ حنفیہ کا دعویٰ۔

امام اگر جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھ دے تو بھی جنازہ صحیح ہے۔

الحنفية قالوا اذازادالامام عن اربع فالمقتدى لايتابعه فى

---

(۱) فتح الباری ج ۳ ص ۲۴۱، نیل الاوطار ج ۴ ص ٦٦

(۲) سنن ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی التکبیر علی الجنازۃ ذیل حدیث ۱۰۲۳.

الزيادة بل ينتظر حتى ليسلم معه وصحت صلواة الجميع. (۱)

حنفیوں کا نظریہ ہے کہ جب امام چار تکبیروں سے زیادہ بڑھا دے تو مقتدی اس زیادتی میں اتباع نہ کرے بلکہ انتظار کرے یہاں تک کہ امام کے ساتھ سلام کہے تو سب کی نماز صحیح ہوگی۔

علامہ نووی کا نظریہ:۔

قال النووی فی شرح المهذب كان بين الصحابة خلاف... الیٰ ان قال... لو كبر الامام خمسالم تبطل صلوته ان كان ناسياو كذا ان كان عامدا على الصحيح لكن لايتابعه الماموم على الصحيح. (۲)

نووی شرح مهذب میں فرماتے ہیں اگر امام نماز جنازہ میں بھول کر پانچ تکبیریں پڑھ دے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اور اسی طرح اگر امام عمداً یعنی جان بوجھ کر پانچ تکبیریں پڑھ دے تو بناء بر صحیح قول کے نماز باطل نہیں ہوگی لیکن ماموم کو علیٰ الصحیح امام کی متابعت نہیں کرنی چاہئے۔

اقول:۔ علامہ نووی نے اعتراف کیا ہے کہ امام اگر عمداً بھی پانچ تکبیریں پڑھ دے تو اس کی نماز باطل نہیں (بلکہ صحیح ہے) سوال یہ ہے کہ صحیح نماز میں ماموین

---

(۱) الفقه علىٰ المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۵۲۵.

(۲) نقل از حاشيه زادالمعاد ص ۵۰۷.

کے لئے متابعت کرنے میں کیا ممانعت ہے؟ فقہی حوالے سے عدم ممانعت کی بنا پر امام احمد اور اسحٰق نے ماموین کو متابعت کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔ کما مر آنفا۔

حنفیہ اور نووی سے سوال یہ ہے آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ زیادتی تکبیر میں ماموم متابعت نہ کرے برفرض اگر ماموم اس زیادتی میں عمداً متابعت کردے آیا یہ نماز جنازہ صحیح ہے یا باطل؟ اگر امام اور ماموم دونوں کی نماز جنازہ صحیح ہے تو ثبت المطلوب اگر ماموم کی عمدی متابعت امام کی نماز کے بطلان کا موجب بنتی ہے یعنی دونوں کی نماز باطل ہے تو اس پر کیا دلیل ہے؟ حالانکہ آپ نے اعتراف کیا ہے کہ امام اگر عمداً پانچ تکبیریں پڑھادے تو نماز صحیح ہے۔

بعبارۃ اخری۔

اگر ماموم عمداً نماز میں پانچویں تکبیر میں امام کی متابعت کرلے کیا آپ اس جماعت کی صحت کا فتویٰ دیتے ہیں یا بطلان کا؟ اگر پہلی صورت ہے تو ثبت المطلوب۔ اگر بطلان کا فتویٰ ہے تو علی نحو الاطلاق ہے کہ دونوں کی نماز باطل ہے یا ماموم کی نماز باطل اور امام کی صحیح یا بالعکس۔ اگر پہلی صورت مراد ہے تو عرض یہ ہے کہ ماموم کے فعل سے امام کی نماز پر کیوں اثر پڑا؟ اور اگر امام کی عمدی زیادتی سے اس کی نماز صحیح ہے تو ماموم کی اس میں متابعت کرنے سے نماز باطل کیوں؟ تفصیل بلا وجہ ہے۔

وثانیا ہم فرض کرتے ہیں کہ نماز جنازہ امام مسجد فرادی پڑھتا ہے

(جماعت کے ساتھ نہیں) اور اس جنازہ میں عمداً پانچ تکبیریں پڑھ دیتا ہے تو اہل سنت کے پڑھے لکھے علماء سے سوال یہ ہے کہ اس شخص کے اس جنازہ سے نماز جنازہ کا فریضہ ادا ہو گیا ہے یا کہ نہیں۔ مذکورہ فتاویٰ جات کو دیکھنے سے منصف مزاج شخص تسلیم کرلے گا کہ یہ نماز جنازہ مجزی ہے وھوالمطلوب۔

سوال:۔

کیا ایک شخص کی نماز جنازہ سے دوسروں سے یہ فریضہ ختم ہو جاتا ہے۔

جواب:

واجمعوا علیٰ انها فرض کفاية والصحيح عنداصحابنا ان فرضها يسقط بصلوٰة رجل واحد.(۱)

علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں اہل سنت کے علماء کا اجماع ہے کہ نماز جنازہ فرض کفائی ہے اور ہمارے علماء اہل سنت کے نزدیک صحیح قول کی بناء پر اس نماز جنازہ کا فریضہ ایک آدمی کی نماز سے ساقط ہو جاتا ہے۔

نوٹ:۔ مخفی نہ رہے ایک شخص کی صحیح نماز سے دوسروں سے یہ فرض ساقط ہوتا ہے۔ (باطل نماز سے نہیں) اور سابقہ بحث کو مدنظر رکھتے ہوئے بخوبی عیاں ہے کہ عمداً پانچ تکبیریں پڑھنے سے بھی اہل سنت کے نزدیک نماز جنازہ صحیح ہے اور

(۱) شرح النووی صحیح مسلم ج۷ ص ۲۱ التکبیر علیٰ الجنازة.

اہل سنت کے اس اجماع کے مطابق دوسرے لوگوں سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ شیعہ اثنا عشریہ کا پانچ تکبیروں والا نماز جنازہ واقع کے مطابق ہے اور عند الشرع مطلوب ہے وگرنہ پانچ تکبیروں کی ادائیگی کی صورت میں دوسرے لوگوں سے سقوط کی کوئی وجہ نہیں۔ (حالانکہ سقوط ثابت کیا جا چکا ہے)۔

نتیجۃ الکلام:۔

علماء اہل سنت کا اعتراف کہ بانی شریعت حضرت محمد مصطفیؐ کا نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھنا اہل سنت کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

بزرگ صحابہ کرام نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھتے تھے۔

ابوبکر کے دور حکومت میں بھی یہی طریقہ رہا۔

عمر کے کچھ دور میں بھی یہی حال تھا۔

اہل سنت کی چار تکبیروں پر عمدہ دلیل اجماع ہے جو کہ باطل ہے۔ کما مر سابقا۔

اہل بیت نبیؐ کا عمل پانچ تکبیروں پر ہے و اهل البیت ادری بمافیه.

علماء اہل سنت کے نزدیک اگر کوئی شخص عمداً نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھے تو بھی نماز جنازہ صحیح ہے اور یہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے یعنی یہ نماز واقع کے مطابق ہے۔

دعوت فکر:۔

اہل سنت کے منصف مزاج علماء اور پڑھے لکھے لوگوں سے گزارش ہے کہ سنی سنائی باتوں پر اکتفا نہ کریں اور بغیر تحقیق کے کسی مسئلہ پر ڈٹے رہنا یہ عقل سلیم کے خلاف ہے۔حق کی اتباع کرنی چاہیے خواہ کہنے والا کوئی ہی کیوں نہ ہو۔

انظر الی ما قال ولاتنظر الیٰ من قال .

دعا گو ہوں خداوند تعالیٰ بحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب مسلمانوں کو حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

نماز جنازہ کی سب تکبیروں میں رفع یدین۔

اہل سنت کی عبارات کے چند نمونے:۔

و قد صح عن ابن عباس انه كان يرفع يديه فى تكبيرات الجنازة.(۱)

ابن عباس کا نماز جنازہ میں تمام تکبیروں میں رفع یدین کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

امام شافعی کا نظریہ:۔

ذهب الشافعى الى انه يشرع مع كل تكبيرة.(۲)

(۱) نيل الاوطار شوكانى ج۴ ص ۷۱باب القراءة والصلوٰة على رسول اللہ فيها.
(۲) مذكوره حواله.

امام شافعی کا نظریہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع یدین مشروع ہے۔

اہل سنت کے دس علماء کا نظریہ۔

و حکاہ ابن المنذر عن ابن عمر و عمر ابن عبدالعزیز و عطاء و سالم بن عبداللہ و قیس بن ابی حازم والزہری والا وزاعی واحمد و اسحاق و اختارہ ابن المنذر. (۱)

ابن منذر نے ابن عمر، عمر بن عبدالعزیز، عطا، سالم بن عبداللہ، قیس بن ابی حازم، زہری، اوزاعی، احمد اور اسحاق سے سب تکبیروں میں رفع یدین کی حکایت کی ہے اور ان کا مختار بھی یہی ہے۔

نوٹ:۔ انس بن مالک سے بھی رفع یدین سب تکبیروں میں منقول ہے (۲)۔

امام شافعی نے عروہ اور ابن مسیّب سے بھی یہی روایت کیا ہے پھر فرماتے ہیں۔

وعلیٰ ذلک ادرکنا اھل العلم ببلدنا. (۳)

---

(۱) مذکورہ حوالہ.

(۲) مذکورہ حوالہ. و زادالمعاد ج ۱ ص ۵۱۱.

(۳) نیل الاوطار ج ۴ ص ۷۱.

ہم نے اپنے شہر میں علماء کو نماز جنازہ میں رفع یدین کرتے پایا ہے۔ یہ گواہی اہل سنت کے امام شافعی کی ہے۔ فافہم وتدبر جیداً۔

ابو حنیفہ کا نظریہ۔

ابو حنیفہ وغیرہ کا نظریہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کی صرف پہلی تکبیرۃ الاحرام میں رفع یدین کرنا چاہیے باقی تکبیروں میں نہیں۔ اس مسئلہ کی دلیل ان کے پاس ابو ھریرہ کی یہ روایت ہے جس کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔

عن ابی هريرة ان النبیؐ كبر علىٰ جنازة فرفع يديه فی اوّل تكبيرة. (۱)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے جنازہ پر پہلی تکبیر میں رفع یدین کیا۔

ناقل فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے علامہ شوکانی فرماتے ہیں **وفی اسناده يزيد بن سنان الرهاوی وهو ضعيف عند اهل الحديث**، اس حدیث کی سند میں یزید بن سنان رہاوی راوی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ اس حدیث کو مفصل ہم آئندہ بحث قبض یدین میں بھی ذکر کریں گے۔ فانتظر۔

ابو حنیفہ وغیرہ نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے اس حدیث سے بھی

---

(۱) ترمذی باب ماجاء فی رفع يدين علىٰ الجنازة حديث ۱۰۷۷ كتاب الجنائز: نيل الاوطار شوكانی ج ۴ ص ۷۱.

تمسک کیا ہے جس کو دار قطنی نے ابن عباس اور ابوھریرہ کی حدیث سے یوں نقل کیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان اذا صلی علی الجنازۃ رفع یدیہ فی اوّل تکبیرۃ ثم لایعود.

بتحقیق رسول اللہؐ جب نماز جنازہ پڑھتے تو پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے پھر اس طرح نہیں کرتے تھے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں قال الحافظ: ولایصح فیہ شئی.

کہ حافظ نے فرمایا کہ اس (صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھانے) کے بارے میں کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

خلاصۃ یہ کہ ابوحنیفہ کا نظریہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ ترمذی کی حدیث مذکورہ کے ذیل میں ابوعیسیٰ فرماتے ہیں۔

واختلف اھل العلم فی ھٰذا فرای اکثر اھل العلم من اصحاب النبیؐ وغیرھم ان یرفع الرجل یدیہ فی کل تکبیرۃ علی الجنازۃ وھو قول ابن مبارک والشافعی و احمد و اسحٰق.

علماء نے رفع یدین کے بارے میں اختلاف کیا ہے اصحاب نبیؐ اور غیر اصحاب سے اکثر اہل علم کا نظریہ یہ ہے کہ آدمی نماز جنازہ میں تمام تکبیروں میں رفع یدین کرے۔

نوٹ:۔

امام اہل سنت ابوعیسیٰ نے گواہی دی ہے کہ اصحاب نبیؐ کے اکثر علماء نماز جنازہ کی سب تکبیروں میں رفع یدین کرنے کے حق میں ہیں۔ وھوالمطلوب۔

فقہی اشکال:۔

اہل سنت کے فقیہ علامہ شوکانی پر ہمارا انتقاد

موجودہ بحث کے خاتمہ پر شوکانی صاحب اپنا فقہی نظریہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

والحاصل انه لم يثبت فى غير التكبيرة الاولىٰ شئى يصلح الاحتجاج به عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم وافعال الصحابة واقوالهم لاحجة فيها فينبغى ان يقتصر على الرفع عند تكبيرة الاحرام.

علامہ شوکانی نے اس عبارت میں تین ادعا کئے ہیں۔

۱۔ پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین کے بارے میں نبی کریمؐ سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں جس سے استدلال کیا جا سکے۔

۲۔ صحابہ کے افعال واقوال جو کہ سب تکبیروں کے وقت رفع یدین کے حق میں ہیں۔ یہ اقوال وافعال یہاں حجت نہیں ہیں۔

۳۔ پس سزاوار ہے کہ فقط پہلی ہی تکبیر کے وقت رفع یدین کیا جائے۔

اقول:۔ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین پر آپ نے دو حدیثیں نقل کی ہیں

اور دونوں کی دونوں ضعیف ہیں۔ مگر سابقاً صحابہ کرام کے اقوال اور افعال آپ کے اعتراف کے مطابق حجت نہیں ہیں تو ان دونوں باتوں کو اگر ملا کر دیکھا جائے تو اس کا مفاد تو یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے وقت بھی رفع یدین مشروع نہ ہو۔ حالانکہ آپ فتویٰ دے رہے ہیں کہ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کیا جائے۔ کاش کہ اس فتویٰ پر کوئی صحیح حدیث پیش کرتے اور قیاس سے یہاں کام نہ لیتے۔ (فافهم و تدبر يا ايها القارى) (فقہی حوالے سے اشکال مقصود تھا بحث کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے)۔

نوٹ:۔

علامہ شوکانی کا یہ اعتراف (وافعال الصحابة واقوالهم لا حجة فيها) اہل تحقیق اور مناظرین ذہن میں رکھیں کئی مقامات پر قابل استفادہ ہے۔ موجودہ بحث میں صحابہ کے اقوال وافعال سنت نبیؐ سے تعارض نہ ہونے کے باوجود حجت نہیں ہیں تو جب اقوال وافعال صحابہ، سنت نبیؐ سے متعارض ہو جائیں تو بطریق اولیٰ حجت نہیں ہوں گے، حالانکہ علماء اہل سنت ان مقامات میں تاویلات کے باب کھولنے شروع کر دیتے ہیں۔

مناظرین ہماری عرائض پر کاملا متوجہ رہیں۔

قبض یدین:۔

نماز جنازہ ہاتھ باندھ کر پڑھنا چاہیے یا ہاتھ کھول کر۔

حدثنا القاسم بن دنیا رالکوفی حدثنا اسماعیل ابن ابان الوارق عن یحییٰ بن یعلی عن ابی ھریرۃ یزید بن سنان عن زید عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ کبر علیٰ جنازۃ فرفع یدیہ فی اوّل تکبیرۃ و وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ.(۱)

اہل سنت نے نماز جنازہ میں ہاتھ باندھنے پر اس حدیث سے تمسک کیا ہے کہ ابوھریرہ کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے ایک جنازہ کی پہلی تکبیر میں رفع یدین کیا اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔

نوٹ:۔ اس حدیث کی سند میں یحیٰ بن یعلی اسلمی اور ابوفروہ یزید بن سنان ہیں اور وہ دونوں ضعیف ہیں۔(۲)

اہل سنت کا قیاس۔

ذیل حدیث مذکورہ میں یوں مرقوم ہے۔رای بعض اھل العلم ان یقبض بیمینہ علی شمالہ کمایفعل فی الصلوۃ. اہل سنت کے بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ نماز فریضہ کی طرح یہاں بھی ہاتھ باندھے جائیں لیکن یہ نظریہ بچند وجوہ باطل ہے:

---

(۱) ترمذی باب ماجاء فی رفع الیدین علی الجنازۃ حدیث نمبر۱۰۷۷.

(۲) کما مرّ سابقاً و حاشیہ زادالمعاد ص ۵۱۱.

اولاً:۔ تو نماز فریضہ میں رسول خداؐ کا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا۔ صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ (۱)

وثانیا:۔ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا فطرت کے مطابق ہے اور باندھنا خلاف اصل ہے جو کہ دلیل کی طرف محتاج ہے اور ہاتھ باندھنے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

وثالثا:۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز میں ہاتھ نہ باندھے جائیں کیونکہ شیعہ قبض یدین کو مبطل نماز سمجھتے ہیں اور اہل سنت کے نزدیک ہاتھ باندھنا نماز میں واجب نہیں۔

تائید:۔ ذکر عن ابن مبارک انہ قال (فی الصلوة علی الجنازة) لایقبض یمینه علیٰ شماله. ابن مبارک سے ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا نماز جنازہ میں ہاتھ نہ باندھے جائیں۔ (۲)

بلند آواز سے جنازہ پڑھنے کا ثبوت۔

اہل سنت کی درج ذیل روایات مسئلہ زیر بحث میں قابل تمسک ہیں۔

۱. عن ابن عباس انه صلی علیٰ جنازة فقرأ بفاتحة الکتاب وقال لتعلموا انه من السنة: رواه البخاری وابوداؤد والترمذی و صححه والنسائی وقال فیه فقرأ بفاتحة الکتاب وسورة وجهر فلما

(۱) بدایة المجتهد، ج ۱، ص ۱۴۲.

(۲) ترمذی ذیل حدیث ۱۰۷۷ ج۳ طبع بیروت.

فرغ قال سنة و حق.

۲. وعن عوف بن مالک قال سمعت النبیؐ صلی علیٰ جنازة يقول اللهم اغفرله وارحمه الخ: رواه مسلم والنسائی.

۳.وعن واثلة بن الاسقع قال صلیٰ بنارسول الله علیٰ رجل من المسلمين فسمعته يقول اللهم ان فلان ابن فلان الخ رواه ابو داؤد.

اھل سنت کے علامہ شوکانی کا استنباط۔

(قوله و جهر) فيه دليل على الجهر فی قراء ة صلوٰة الجنازة.

اس عبارۃ میں نماز جنازہ کی قرات کو بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں دلیل پائی جاتی ہے۔ دوسری اور تیسری روایت میں راوی کا بیان ہے کہ ہم نے نبیؐ کریم سے دعا سنی سنتا تو انسان تب ہے جب بلند آواز سے کوئی چیز پڑھی جائے بلکہ مسلم کی روایت میں عوف کا بیان ہے کہ میں نے اس دعا کو حفظ کرلیا۔(فافهم و تدبر جيدا)

جنازہ کے پیچھے چلنا۔

الحنفية قالوا الا فضل للمشيع ان يمشی خلفها.(۱)

---

(۱) الفقه علیٰ مذاهب الاربعه ج ۱ ص ۵۳۲: بداية المجتهد ج ۱ ص ۲۳۹ الباب الرابع فی صفة المشی مع الجنازة.

حنفیوں کا فتویٰ یہ ہے کہ تشیع کرنے والے کے لئے جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے ترمذی میں سفیان ثوری، اسحاق اور بحر میں عترت پیغمبرؑ سے جنازہ کے پیچھے چلنے کو افضل حکایت کیا ہے۔ نیز حضرت علیؑ سے بھی یہی منقول ہے۔(۱)

نوٹ:۔ بعض دیگر روایات سے بھی اس مطلب کا استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

من تبع جنازة فله قيراط.(۲)

...بقوله (من تبع) علىٰ ان المشى خلف الجنازة افضل من المشى امامها لان ذالک هو حقيقة الاتباع حساً. (۳)

من تبع، من شيع من تبع اور اس قبیل کے عناوین نیز مؤید مطلب ہیں۔

غائبانہ جنازہ۔

سوال۔ کیا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟

جواب۔ حنفیوں اور مالکیوں کے نزدیک جائز نہیں۔

---

(۱) نیل الاوطارج ۴ص ۸۲.

(۲)فتح البارى ج۳ ص ۲۲۹ طبع مصر باب فضل اتباع الجنائز حديث نمبر۱۳۲۳.

(۳)بحواله بالا، ص ۲۳۲.

اما شروطھاؔ... و منھا ان یکون المیت حاضرا فلا تجوز الصلوۃ علی الغائب اما صلوٰۃ النبیؐ علی النجاشی فھی خصوصیۃ باتفاق الحنفیۃ والمالکیۃ:(۱)

نماز جنازہ کی شروط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ میت حاضر ہو پس غائب پر نماز جنازہ جائز نہیں نجاشی پر حضورؐ کا غائبانہ جنازہ پڑھنا اس کی خصوصیت کی وجہ سے تھا۔

غائبانہ نماز کے عدم جواز میں حنفیوں اور مالکیوں کا اتفاق ہے۔شیعہ بھی ان کے ساتھ متفق ہیں۔

جریدتین کا ثبوت:۔

عن ابن عباس عن النبیؐ انہ مربقبرین یعذبان فقال انھما یعذبان ومایعذبان فی کبیر(الیٰ ان قال) ثم اخذجریدۃ رطبۃ فشقھابنصفین ثم غرز فی کل قبر واحدۃ فقالو ایارسول اللہ لم صنعت فقال لعلہ ان یخفف عنھا مالم تیبسا.(۲)

ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن

---

(۱)الفقہ علیٰ مذاھب الاربعہ ج ۱ ص ۵۲۲، کتاب الصلوٰۃ، طبع بیروت.

(۲) صحیح بخاری باب عذاب القبر وباب اذا قال المشرک عندالموت لاالٰہ الااللہ کتاب الجنائز.

پر عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ یہ دونوں میت عذاب میں مبتلا ہیں اور کسی گناہ کبیرہ کی وجہ سے بھی نہیں (یہاں تک کہا) پھر حضرتؐ نے ایک تر شاخ کھجور لے کر دو حصے کئے اور ہر ایک قبر میں ایک ایک حصہ گاڑ دیا صحابہ نے وجہ پوچھی تو فرمایا تاکہ یہ دونوں لکڑیاں جب تک خشک نہ ہوں ان سے عذاب کی تخفیف ہو۔

وصیت بریدہ اسلمی۔

اوصیٰ بریده الاسلمی ان تجعل فی قبره جریدان. (۱)

بریدہ اسلمی نے وصیت کی کہ میری قبر میں جریدتین رکھے جائیں۔

تلقین کا ثبوت:۔

احتضار کے وقت تلقین پڑھنا مستحب ہے۔

یستحب ان یلقن الشهادة الخ وروی مسلم عن ابی هریرة لقنّوا موتاکم شهادة ان لااله الاالله. (۲)

شہادۃ کی تلقین مستحب ہے اور مسلم نے ابوھریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ (رسول خداؐ) نے فرمایا: اپنے موتی (مرنے والوں) کو شہادۃ توحید کی تلقین کیا کرو۔

و یستحبّ تلقینه ایضابعد الفراغ من دفنه و تسویة التراب

---

(۱) صحیح بخاری باب الجریده علیٰ القبر کتاب الجنائز.

(۲) الفقه علیٰ المذاهب الاربعة ج ۱، ص ۵۰۰، کتاب الصلوة.

علیه و التلقین هناهو ان یقول الملقن مخاطبا للمیت یا فلان ابن فلانه، والا نسبه الیٰ حواء علیها السلام ثم یقول بعد ذالک اذکر العهد الذی خرجت علیه من الدنیا شهادة ان لااله الاالله وان محمداً رسول الله وان الجنة حق وان النار حق وان البعث حق وان الساعة لاتیه لاریب فیها وان الله یبعث من القبور و انک رضیت بالله رباو بالاسلام دینا وبمحمد صلی الله علیه وسلم نبیا و بالقرآن اماما و بالکعبة قبلة و بالمؤمنین اخوانا وهٰذا التلقین مستحب عندالشافعیة والحنابلة. (۱)

میت کو دفن کرنے کے بعد بھی شافعیوں اور حنبلیوں کے نزدیک تلقین مستحب ہے اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ تلقین کرنے والا میت کو مخاطب ہو کر عبارت میں مذکورہ اشیاء کی تلقین کرے۔ شہادتین و۔۔۔

نوٹ:۔ تلقین کے بارے میں راشد بن سعد، حمزہ بن حبیب اور حکیم بن عمیر کا قول بھی نیل الاوطار اور دیگر کتب میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اہل تحقیق عبدالعزیز حنبلی کی وصیت تلقین کے بارے میں مع نقل روایت ملاحظہ فرمائیں۔ (بحوالہ بالا) اہل شام بھی تلقین پڑھتے تھے۔

---

(۱) الفقه علیٰ مذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۵۰۱.

تعزیت:۔

صاحب مصیبت کو تعزیت پیش کرنا مندوب ہے۔

التعزية لصاحب المصيبة مندوبة و وقتها من حين الموت الىٰ ثلاثة ايام وتكره بعد ذالك الا اذا كان المعزى او المعزى غائبا فانّها لا تكره حينئذ بعد ثلاثة ايام.(۱)

صاحب مصیبت کو تعزیت دینا مندوب ہے اور تعزیت کا وقت موت سے لے کر تین دن تک ہوتا ہے اور اس کے بعد مکروہ ہے مگر (یہ کہ) تعزیت دینے والا غائب ہو یا مصیبت زدہ تو اس صورت میں تین دنوں کے بعد بھی مکروہ نہیں ہوگی۔

نوٹ:۔

مکروہ بھی احکام خمسہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نہ کرنا بہتر ہے لیکن اگر مکروہ فعل انجام دے دیا جائے تو گناہ نہیں ہے۔ اہل سنت کے بعض جدید فرقے اس مسئلہ میں مصر ہیں کہ تین دن کے بعد مطلقاً تعزیت پیش نہیں کرنی چاہیے۔ (وھوکما تری)

---

(۱) الفقه علىٰ مذاهب الاربعه ج ۱ ص ۵۳۹.

تعزیت کا ثواب۔

عن النبیؐ قال مامن مؤمن یعزی اخاہ بمصیبۃ الا کساہ اللہ عز و جل من حلل الکرامۃ یوم القیامۃ: رواہ ابن ماجہ

نبیؐ سے مروی ہے کہ کوئی مومن بھی جو اپنے کسی مومن بھائی کو کسی بھی مصیبت میں تعزیت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کرامت کے لباسوں میں سے لباس پہنائے گا۔

عن النبیؐ قال من عزیٰ مصابافلہ مثل اجرہ: رواہ ابن ماجہ...

رسول خداؐ نے فرمایا تعزیت دینے والے کے لئے بھی مصیبت زدہ کے اجر کے برابر اجر ہے۔

فاتحہ:۔

اہل سنت کا فتویٰ۔ دعا اور قرآن میت کو نفع دیتے ہیں۔

وینبغی للزائر الاشتغال بالدعاء والتضرع والاعتبار بالموتی و قراءۃ القراٰن لمیت فان ذالک ینفع المیت علی الاصح.(۱)

قبور کی زیارت کرنے والے کے لئے سزاوار ہے کہ وہ دعا میں تضرع اور

(۱) الفقہ علیٰ المذاہب الاربعۃ، ج ۱، ص ۵۴۰.

مردوں سے عبرت حاصل کرنے نیز میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو کیونکہ یہ بناء براصح میت کو نفع پہنچاتا ہے۔

نوٹ:۔ بلکہ مطلق اعمال خیر یہ میت کی طرف سے انجام دیئے جاسکتے ہیں اوران کا بھی اموات کو نفع ہوتا ہے اہل سنت کے بعض جدید فرقوں کی کوشش یہ ہے کہ اموات کے لئے نیک اعمال انجام نہ دیئے جائیں گویا وہ رحمت خداوندی کی شمولیت کو احیاء تک محدود سمجھتے ہیں۔

زیارت قبور۔

اہل سنت کے نزدیک بھی زیارت قبور مندوب ہے۔

زيارة القبور مندوبة للاتعاظ و تذكر الأخرة وتتاكد يوم الجمعة و يوما قبلها ويومابعدها عندالحنفية والمالكية.(۱)

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک قبور کی زیارت مستحب ہے کیونکہ اس سے نصیحت حاصل ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے اور جمعہ کے دن اور جمعہ سے ایک روز پہلے اور ایک روز بعد مستحب موکدہ ہے اس زیارت (کے استحباب) میں مقابر کے دور یا نزدیک ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

---

(۱) الفقه علىٰ المذاهب الاربعة، ج۱، ص ۵۴۰.

شہداء کی زیارت، ان کی قبور کے پاس نماز اور ان پر گریہ کا ثبوت۔

حضرت فاطمہؑ دختر رسول خداؐ حضرت حمزہؑ کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کرتی تھیں اور وہاں ان کے پاس نماز پڑھتی اور گریہ بھی کرتی تھیں۔

ان فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم كانت تزور قبر عمها حمزة كل جمعه فتصلى و تبكى عنده. (۱)

زیارت کے لئے سفر۔

اھل سنت کا فتویٰ کہ صالحین کی قبور کی زیارت کے لئے سفر کرنا مندوب ہے۔

... بل يندب السفر لزيارة الموتى خصوصا مقابر الصالحين امّا زيارة قبر النبیؐ فهى من اعظم القرب. (۲)

بلکہ قبور اموات کی زیارۃ کے لئے سفر مندوب ہے خصوصاً صالحین کے مقبروں کی، نبی اکرمؐ کی قبر اطہر کی زیارت تو قرب کے بڑے وسائل میں سے ہے۔

---

(۱) رواه الحاكم، و نيل الاوطار ج ۴ ص ۱۲۶.

(۲) الفقه على المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۵۴۰.

نوٹ:۔

جب امت کے عام صالحین کے مقبروں کی زیارت مندوب ہے تو سادات کے صالحین خصوصاً عتبات مقدسہ ائمہؑ طاہرین کی زیارۃ بطریق اولیٰ مندوب بلکہ مستحب موکد اور عظیم ثواب کا موجب بلکہ روز قیامت شفاعت النبیؐ کی شمولیت کا ذریعہ ہے۔

كما فى الروايات الكثيرة فلا تكن من الغافلين.

والحمد الله رب العالمين.

باب چهارم

در نکاح متعه

متعہ :۔

شیعہ کا نظریہ یہ ہے کہ نکاح کی دو قسمیں ہیں ایک نکاح دائمی ہوتا ہے اور دوسرا نکاح وقتی ، اور اس وقتی نکاح کو نکاح متعہ کہا جاتا ہے۔اور یہ دونوں نکاح شریعت کی رو سے صحیح ہیں اور عہد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں واقع ہوئے ہیں پیغمبرؐ کے زمانہ میں متعہ سے کئی ایک صحابہ کرامؓ نے استفادہ کیا ہے جس کا انکار سوائے جاھل کے اور کوئی نہیں کرسکتا اس بارے میں صحیح مسلم اور دیگر کتب میں رجوع فرماسکتے ہیں جس میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں ہم مٹھی بھر کھجور اور آٹا دے کر (عورتوں سے) متعہ کرلیا کرتے تھے۔(۱)

حضرت جابر کا بیان ہے کہ ہم نے رسول خداؐ اور ابوبکر وعمر کے زمانے میں متعہ کیا ہے۔(۲)

حضورؐ اکرم کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ جب جنگ پر جاتے یا لمبے سفر پر جاتے تو ان کی بیویاں چونکہ ان کے ہمراہ نہیں ہوتیں تھیں تو وہ متعہ کرلیا کرتے تھے۔

---

(۱) نقل از نیل الاوطار ج ٦ ص ١٥٦.

(۲) فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۹ کتاب النکاح ص ۷۷ .

چنانچہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ ہم کسی غزوہ میں حضور اکرمؐ کے ہمراہ تھے ہمارے ساتھ عورتیں نہیں تھیں تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا ہم خصّی ہو جائیں بالآخر جنسی مشکلات ہر انسان کو پیش آسکتی ہیں) تو آپؐ نے خصّی ہونے سے منع فرمایا اور کپڑے کے عوض عورتوں سے نکاح کی اجازت فرمائی۔(۱)

اور قرآن کی آیت **فما استمتعتم به منهنّ فاتوهنّ اجورهنّ فریضه الخ.** سورہ نساء آیت ۲۴

ترجمہ:۔ جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو ان سے جو مہر مقرر کیا ہے انہیں دے دو۔

اس آیت میں اس نکاح سے مراد نکاح متعہ ہے جس کی کئی ایک اہل سنت کے مفسرین نے تصریح کی ہے۔(۲)

ابو بکر کی بیٹی اسماء نے زبیر بن عوام سے متعہ کیا تھا کما فی تفسیر المظہری وغیرہ اور اس متعہ سے عبداللہ ابن زبیر صحابی پیدا ہوا، لہٰذا اصل جواز متعہ کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ ہاں اہل سنت نے اس حکم کے نسخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن خود اہل سنت کے لئے بھی اس دعویٰ کے اثبات میں سخت مشکل در کار ہے چونکہ طبق نقل

---

(۱) نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۵۱ .

(۲) تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۴۰ آیت متعه .تفسیر کبیر رازی ذیل آیت متعه.تفسیر بیضاوی ذیل آیت متعه و کتب دیگر .

اہل سنت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار اجازت فرمائی اور پھر اس کو منع فرما دیا اس طرح سات مرتبہ متعہ حلال ہوا اور سات مرتبہ منع ہوا۔

دعویٰ نسخ کے جوابات

حالانکہ شریعت میں اس طرح کے حکم کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ کوئی حکم بار بار آیا ہو اور پھر نسخ ہو گیا ہو۔ ھذا اولاً۔ وثانیاً قرآن کی آیت متعہ، محکم ہے اور اس کے بارے میں کوئی ناسخ آیت نازل نہیں ہوئی۔ و اثبات النسخ علی عھدۃ المدّعی۔

نسخ والی روایات اخبار احاد ہیں اور خبر واحد سے نسخ ثابت نہیں ہوتا۔

پ ۱۸ سورہ مومنون کی آیت ۶ اور پ ۲۹ کی سورہ معارج کی آیت ۳۰ الاعلیٰ ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین۔ کے ذریعہ آیت متعہ کے نسخ کا جو دعویٰ کیا گیا ہے مقام میں یہ صحیح نہیں ہے چونکہ آیت متعہ سورہ نساء کی ہے جو کہ مدنی ہے اور نسخ والی (دعوی شدہ) آیات مکی ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اصل حکم بعد میں آئے اور نسخ پہلے ہو جائے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح متعہ سے منع کر دیا تھا تو عمر بن خطاب یہ نہ کہتا کہ دو متعوں، یعنی متعۃ النساء اور متعۃ الحج) کو میں حرام کر رہا ہوں اور اس سے باز نہ آنے والوں کو میں سزا دوں گا۔(۱)

---

(۱) کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۳، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۱۵۲۔ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹۷ سورہ نساء) و کتب دیگر

اگر متعہ نسخ ہو گیا ہوتا تو جابر صحابی، حضورؐ کی رحلت کے بعد ابو بکر کے زمانے میں متعہ نہ کرتے۔(۱)

اگر متعہ نسخ ہو گیا تھا تو پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد صحابہ کی ایک جماعت اسماء بنت ابی بکر، جابر بن عبداللہ، ابن مسعود، ابن عباس، معاویہ، عمرو بن حدیث ابو سعید وسلمہ، اُمیہ بن خلف کے بیٹے، متعہ کی حلیت کے قائل نہ ہوتے حالانکہ فوق الذکر افراد کا متعہ کی حلیت کا قائل ہونا ثابت ہے۔(۲)

نیز اگر نکاح متعہ نسخ ہو گیا تھا تو ابن عباس کے اصحاب مکہ اور یمن سے اس کی حلیت کے قائل نہ ہوتے حالانکہ وہ قائل تھے کما فی فتح الباری وغیرہ۔

ابن عباس کا متعہ سے رجوع کرنے والی روایات ضعیف ہیں اور ان کا جواز متعہ کے قائل ہونے والی روایات صحیح ہیں (۳) اگر نکاح متعہ نسخ ہو گیا تھا تو تابعین: طاوس، عطاء، سعید بن جبیر متعہ کی حلیت کے قائل نہ ہوتے۔ حالانکہ یہ حلیت متعہ کے قائل تھے۔(۴)

---

(۱) فتح الباری ج ۹ ص ۷۷ کتاب النکاح)

(۲) نیل الاوطار ج ٦ ص ۱۵۳ باب ما جاء فی نکاح المتعہ .

(۳) فتح الباری ج ۹ ص ۷۸ . نیل الاوطار ج ٦ ص ۱۵۴ .

(۴) نیل الاوطار ج ٦ ص ۱۵۳ .

اگر نکاح متعہ نسخ ہو گیا تھا تو فقہاء مکہ بالخصوص مکہ کا مشہور فقیہہ ابن جریح متعہ کی حلیت کا قائل نہ ہوتا بلکہ ابن جریح نے عملاً ستر عورتوں سے متعہ کیا ہے۔ قال الشافعی استمتع ابن جریح بسبعین امراۃ اور ابو عاصم نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ ابن جریح عبادت گزاروں سے تھا اور مہینہ میں صرف تین دن کے علاوہ ہمیشہ روزے رکھتا تھا۔(۱)

اگر نکاح متعہ نسخ ہو گیا تھا اور اس کے نسخ ہونے پر عمر کے زمانے میں تمام اصحاب کا اجماع ہو گیا تھا تو معاویہ نے طائف میں ایک عورت سے متعہ کیوں کیا اور یہ واقعہ صحیح السند روایت سے ثابت ہے۔ ان معاویۃ استمتع بأمرۃ بالطائف و اسنادہ صحیح۔(۲)

عبدالرزاق نے اپنی کتاب مصنف (ج ۷ ص ۴۹۹) پر لکھا ہے اس عورت کا نام معانہ تھا اور معاویہ کے دور حکومت میں وہ زندہ تھی اور معاویہ اسے ہر سال انعام بھیجتا تھا۔

اگر متعہ نسخ ہو گیا تھا اور عمر نے بھی سختی سے منع کر دیا تھا تو پھر اس کے باوجود صحابہ کی ایک جماعت، تابعین اور فقہاء مکہ بالخصوص ابن جریح فقیہہ نے متعہ کے بارے میں احتیاط کیوں نہیں کی تھی حالانکہ اس کی حرمت حضورؐ سے نہیں تو کم

---

(۱) تہذیب التہذیب عسقلانی ج ۶ ص ۴۰۶.

(۲) فتح الباری ج ۹ ص ۷۹.

سے کم عمر کی زبانی تو ان تک پہنچی تھی۔ لیکن اس سماع کے باوجود وہ جواز متعہ کے قائل تھے اور ابن جریج نے ایک دو عورتوں سے متعہ نہیں بلکہ ستر عورتوں سے متعہ کیا ہے۔ کیا عملاً متعہ کرتے وقت ان کو خیال نہ آیا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ متعہ حرام ہو گیا ہو اور جب حرمت کا احتمال تھا تو تحقیق کرنی چاہیے تھی اور دوران تحقیق مقام عمل میں احتیاط کرنی چاہیے تھی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے احتیاط نہیں کی تو معلوم ہوا کہ نسخ والی بات بالکل جھوٹی ہے۔

متعہ کے نسخ ہونے کے بارے میں اہل سنت کے درمیان اختلاف ہے کہ متعہ خیبر کے دن نسخ ہوا یا یوم الفتح کو اور یہ خود اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ نسخ کا حکم مشکوک ہے اصولی حوالے سے بھی چونکہ متعہ کی حلیت متیقن ہے اور نسخ مشکوک ہے۔ اس متیقن (حلیت متعہ) کا استصحاب جاری کیا جائے گا۔ فیثبت المطلوب۔ اگر نکاح متعہ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نسخ کر دیا تھا تو اہل بیت پیغمبرؑ متعہ کی حلیت کے قائل نہ ہوتے۔ حالانکہ علی علیہ السلام نے فرمایا: (لولا ان عمر نھی عن المتعة ما زنی الاشقی) اگر عمر متعہ سے منع نہ کرتا تو سوائے شقی و بد بخت شخص کے کوئی زنا نہ کرتا۔ (۱)

ائمہ اہل بیت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ نکاح متعہ کی حلیت کے

---

(۱) در منثور سیوطی ج ۲ ص ۱۴۰ تفسیر کبیر رازی ج ۳ ص ۱۹۵ وکتب دیگر.

قائل تھے۔(۱)

مخفی نہ رہے کہ ائمہ اہل بیت علیھم السلام کا نکاح متعہ کے جواز پر اجماع ہے اور یہی وجہ ہے کہ سب علماء شیعہ کا نظریہ بھی جواز متعہ پر ہے۔

اور صحابہ میں ابن عباس فرمایا کرتے تھے :

یرحم اللہ عمر ما کانت المتعة الا رحمة رحم الله بها لعباده و لو لا نهى عمر لما احتيج الى الزنا ابداً. (۲)

قول ابن عباس۔ اللہ عمر پر رحمت کرے متعہ رحمت تھا اللہ نے متعہ کے ذریعے اپنے بندوں پر رحم کیا ہے اگر عمر متعہ سے منع نہ کرتا تو کبھی بھی زنا کی ضرورت نہ پڑتی۔

در منثور میں ابن عباس سے یوں منقول ہے:

یرحم الله عمر ما کانت المتعة الا رحمة من الله رحم بها اُمّة محمد ولولا نهيه عنها ما احتجاج الى الزنا الا شقى. (۳)

ابن عباس نے فرمایا! کہ اللہ رحم کرے عمر پر، امت محمدؐ پر متعہ اللہ کی رحمت تھی اگر عمر متعہ کو منع نہ کرتے تو سوائے شقی کے زنا کی طرف کسی کو ضرورت نہ پڑتی۔

---

(۱) نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۵۴.

(۲) نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۵۳.

(۳) در منثور ج ۲ ص ۱۴۱ آیت متعہ.

مخفی نہ رہے کہ نکاح متعہ ہر عورت کے ساتھ نہیں ہو سکتا جس طرح دائمی نکاح محارم کے ساتھ حرام ہے اسی طرح نکاح متعہ بھی محارم کے ساتھ حرام ہے جس طرح شادی شدہ عورت جو کہ شوہر کی زوجیت میں ہو تو اس کے ساتھ دوسرا شخص نکاح نہیں کرسکتا مگر یہ کہ وہ طلاق دے یا فوت ہو جائے ۔اس طرح شادی شدہ عورت کے ساتھ نکاح متعہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں نفقہ اور میراث کے حوالے سے متعہ کا حکم دائمی نکاح سے فرق کرتا ہے چونکہ متعہ میں نفقہ واجب نہیں ہے اور میراث بھی نہیں پائے گی ہاں اگر متعہ سے اولاد ہو جائے تو وہ اپنے والدین کی میراث پائے گی اور متعہ سے پیدا ہونے والے بچے، دائمی نکاح سے پیدا ہونے والے بچوں کی طرح ، اپنے والدین کی اولاد ہیں ممتوعہ عورت کی مدت تمام ہونے کے بعد اسے عدت رکھنا پڑتی ہے ۔متعہ کے دیگر احکام کی تفصیل کے لئے فقہی کتب کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں اس طوفانی دور میں نکاح متعہ کی اہمیت اور زیادہ روشن ہے کیونکہ جنسی خواہشات کو ابھارنے والے گمراہ کن وسائل بہت زیادہ ہو گئے ہیں اور دوسری طرف مہنگائی اور دیگر مشکلات کی وجہ سے کئی لوگ بالخصوص نوجوان طبقہ دائمی نکاح کرنے سے محروم ہیں نیز وہ نوجوان جو تحصیلات علوم کے لئے اپنے شہروں سے دور ہیں یا غیر ممالک میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور اس طرح فوجی جوان جو شادی کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ۔

سوال یہ ہے کہ لوگ اپنی جنسی مسائل میں کیا کریں ؟ زنا کر کے اپنی

جنسی خواہشات کو پورا کرلیں تو یہ شریعت میں حرام ہے۔ خصّی ہو جائیں تو اس چیز سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو روکا تھا جب کہ وہ سفر میں تھے اور عورتیں ان کے ہمراہ نہیں تھیں تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ؐ کیا ہم خصّی ہو جائیں تو آپ ؐ نے منع فرمایا! اور متعہ کی اجازت فرمادی۔ اور تحقیق یہ ہے کہ متعہ کا حکم نسخ نہیں ہوا، کمامرّ آنفاً (ہاں متعہ سے صحیح استفادہ کرنا چاہیے اور اس سے سوء استفادہ نہیں کرنا چاہیے) اگر اس نکاح متعہ کے ذریعہ بوقت ضرورت لوگ اپنی جنسی خواہشات کو حلال طریقہ سے پورا کرلیں یہ بہتر ہے یا فعل حرام زنا سے اپنی جنسی خواہشات کو پورا کریں ؟ آپ کی عقل کیا کہتی ہے ؟ لکیر کا فقیر نہیں بننا چاہیے اہل سنت میں چونکہ اجتھاد کا دروازہ بند ہے اور عمر نے اپنی ذاتی رائے سے متعہ پر پابندی لگا دی اور اسی بات پر اہل سنت کے علماء ڈٹے ہوئے ہیں اور معاشرہ میں بڑھتی ہوئی برائیوں کی طرف متوجہ نہیں ہیں اگر متعہ میں شک بھی ہو تو چاہیے تو یہ تھا کہ حضور ؐ کے بعد ان کے اہل بیت ؑ کی طرف رجوع کیا جاتا جو کہ مفسرین قرآن ہیں اور حضور ؐ کے علم کے وارث ہیں۔ ان سے سوال کیا جاتا کہ متعہ کا حکم نسخ ہو گیا ہے یا باقی ہے ؟ حال یہ ہے کہ لوگوں نے نہ صرف اہل بیت ؑ کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ ان کے فرمان کے مقابلہ میں عمر کے قول کو ترجیح دی اور معیناً اسی کو لے لیا اور اسی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حضرت علی ؑ کے فرمان کو خود اپنی کتابوں میں ذکر بھی کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر عمر، لوگوں کو متعہ سے منع نہ کرتا تو سوائے شقی کے کوئی اور زنا نہ

کرتا۔ اور باقی ائمہ اہل بیت علیہم السلام بھی متعہ کی حلیت کے قائل ہیں۔

جب لوگوں نے حضورؐ کے بعد حضورؐ کے حقیقی جانشین جس کا بازو پکڑ کر غدیر کے دن دکھایا تھا اور جو کہ باب مدینۃ العلم (علم کے شہر کا دروازہ) ہیں، کو چھوڑ دیا اور عقیدہ اور عمل میں خلافت سقیفہ کی اتباع کر کے الگ راستہ پر چل نکلے تو پھر مسائل میں جز تاویلات کے اور کوئی چارہ نہیں رکھتے، حالانکہ حضورؐ کی وصیت پر عمل کرنا چاہیے تھا۔

باب پنجم

در تقیه

تقیہ:۔

تقیہ کیا ہے؟ خوف کی وجہ سے کسی کے سامنے اپنے عقیدے کا اظہار نہ کرنے کا نام تقیہ ہے۔

بعبارت دیگر متعصب اور ظالم لوگوں کے خوف سے اپنی جان بچانے کے لئے دل میں اپنے ایمان اور عقیدہ کو چھپانے اور بظاہر، اس کے سامنے اس کا ہم عقیدہ ہونے کا اظہار کا نام تقیہ ہے۔ شرعاً اور عقلاً تقیہ کرنا صحیح ہے اور پوری دنیا کے عقلاء کا اس پر عمل ہے آپ کا کیا خیال ہے جب کوئی مسلمان شخص کسی ظالم کی گرفت میں آجائے اور اسے معلوم ہے کہ اگر اس غیر معقول آدمی کے سامنے اپنے اسلامی اعتقادات کا اظہار کیا تو یہ اسے مار ڈالے گا یا نقصان پہنچائے گا اور عقیدہ کے اظہار کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو تو آیا اس ظالم کے سامنے اب بھی اپنے عقائد کا اظہار کرنا چاہیے جس کے نتیجے میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے یا اس کے سامنے اپنے عقیدہ کو چھپا کر جان بچا لینی چاہیے؟

منافق کسے کہتے ہیں؟

نفاق یہ ہے کہ کفر دل میں چھپائے ہوئے ہو اور زبان سے اس کفر کا منکر

ہو بلکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے اسے منافق کہتے ہیں پس تقیہ اور منافقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تقیہ اور چیز ہے اور منافقت اور چیز ہے۔

مخفی نہ رہے کہ تقیہ کو نفاق کہنا یہ متعصب اور نادان لوگوں کا کام ہے۔ تقیہ کا حکم قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے۔

﴿لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین و من یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیءٍ الا ان تتقوا منھم تقٰۃ و یحذر کم اللہ نفسہ و الی اللہ المصیر﴾ . (۱)

صاحبان ایمان، مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمھیں کفار سے خوف ہو تو تقیہ کر لیا کرو (اور اس میں) کوئی حرج نہیں ہے اور خدا تمھیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اس کی طرف پلٹ جانا ہے۔

آیت میں تقاۃ سے مراد بھی تقیہ ہے نیز تقیۃً کی قرآءۃ بھی یعقوب حضرمی سے منقول ہے۔ (۲)

قراء ابن عباس و مجاھدو ابو رجاء و قتادہ و أبو حیوۃ و

---

(۱) سورہ آل عمران آیت ۲۸ .

(۲) تفسیر السمرقندی بحر العلوم ج ۱ ص ۲۶۰ طبع دار العلمیۃ ،بیروت.

یعقوب وسهل و عاصم تتقوا منهم تقية بوزن مَطِيَّة و هى ايضاً بمعنى تقاة.(١)

حضرت ابن عباس، مجاھد، ابورجاء، قتادہ، ابوحیوۃ، یعقوب، سہل اور عاصم نے تقیۃً بروزن مطیۃً پڑھا ہے اور یہ بھی مصدر ہے، تقاۃ کے معنی میں۔

نیز کئی ایک دیگر نے بھی تقیۃ قرآءۃ کی ہے جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب مستند المناظرین (بزبان فارسی) میں تحریر کی ہے۔اہل سنت کے مفسر قاسمی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

و من هذه الآية استنبط الائمة مشروعية التقية عند الخوف.

اس آیت سے آئمہ نے خوف کے وقت تقیہ کی مشروعیت کا استنباط کیا ہے۔(٢)

سورہ مبارکہ نمل کی آیت نمبر٦ کی تفسیر میں منقول روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے عمار بن یاسر کو پکڑ لیا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (نعوذ باللہ) سب نہیں کی نیز انہوں نے ان کے بتوں کو

---

(١) الدر المصون فى علوم الكتاب المكنون ج ٣ ص ١١٢ طبع دار القلم دمشق.

(٢) تفسير قاسمى جزء رابع ص ٨٢ طبع دار الفكر بيروت .

اچھے الفاظ میں تعبیر کیا پھر انہوں نے عمار بن یاسر کو چھوڑ دیا جب عمار رسول خداؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے ان کا حال پوچھا تو انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے پوچھا: کیف تجد قلبک ؟ تو نے اپنے دل کو کیسا پایا؟ عرض کیا مطمئن بالایمان، کہا: دل کو ایمان کے ساتھ مطمئن پایا (یعنی دل میں اپنے دینی عقیدہ پر پختہ تھا) قال ان عادو ا فعد تو آپؐ نے فرمایا: اگر پھر بھی کہیں ایسا اتفاق ہو جائے تو (حالات کے مطابق) انہی کلمات کا اعادہ کر لینا۔(۱)

مخفی نہ رہے کہ اکراہ اور تقیہ دونوں میں خوف اور اذیت سے بچنے کی وجہ سے ضرورت کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے۔

مومن آل فرعون کے متعلق ارشاد رب العزت ہے۔

وقال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانه ا تقتلون رجلا ان یقول ربی الله و قد جاء کم بالبینٰت من ربکم .الخ (۲)

---

(۱) تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۷۰ طبع دار الفکر . تفسیر مراغی ج ۵ ص ۱۴۶ طبع دار الفکر ، بیروت .تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۲۸ طبع بیروت و کتب دیگر .به یک مضمون باختلاف الفاظ . شان نزول کا اختلاف مقام میں مضر نہیں ہے اور سندی اشکال بھی مضر نہیں ہے، عسقلانی لکھتا ہے کہ بعض مراسیل ،بعض دیگر کی تقویت کرتی ہیں . فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۲۷ کتاب الاکراه.

(۲) پ ۲۴ ، سوره مومن آیت ۲۸)

آل فرعون میں سے ایک مرد مومن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یہ کہا کہ کیا تم لوگ کسی شخص کو صرف اسی بات پر قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لے کر آیا ہے۔

اس آیت میں تقیہ کرنے کے عمل کی تعریف پائی جاتی ہے چونکہ پروردگار نے تقیہ کرنے والے کو رجل مومن سے یاد کیا ہے۔ تو اس مرد مومن نے تقیہ کر کے اپنی بھی جان بچالی اور حضرت موسیٰ کا دفاع بھی کر لیا تو معلوم ہوا کہ تقیہ بری چیز کا نام نہیں ہے بلکہ حضرت موسیٰ بھی کئی سال اپنی قوم میں تقیہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔

اہل سنت کے مفسر بیضاوی نے سورہ شعراء کی آیات ۱۸۔۱۹ کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

قال الم نربک فینا ولیداً و لبثت فینا من عمرک سنین و فعلت فعلتک التی فعلت و انت من الکافرین.

اس نے یعنی فرعون نے موسیٰ سے کہا کیا ہم نے تمہیں بچپنے میں پالا نہیں ہے اور کیا تم نے ہمارے درمیان اپنی عمر کے کئی سال نہیں گزارے اور تم نے وہ کام کیا ہے جو تم کر گئے ہو اور تم شکریہ ادا کرنے والوں میں سے نہیں ہو۔

اہل سنت کے مفسر بیضاوی ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں: فانه علیه السلام کان یعا شھم بالتقیة کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کے مابین فرعونیوں میں کئی سال تقیہ کے ساتھ رہے۔(۱)

نیز بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ ان میں تیس سال رہے۔

اگر تقیہ حرام ہوتا تو حضرت موسیٰ جیسا اولی العزم پیغمبرؑ ہرگز تقیہ نہ کرتا تو معلوم ہوا کہ تقیہ کا حکم نہ صرف اسلام میں ہے بلکہ سابقہ ادیان میں بھی جائز تھا، فخر رازی اپنی تفسیر میں لکھتا ہے (الحکم الخامس) التقیه جائزة لصون النفس (۲) جان بچانے کے لئے تقیہ کرنا جائز ہے۔

نظام نیشا پوری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں تقیہ کے بارے میں علماء کے نزدیک احکام ہیں جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ بنابراصح مال بچانے کی غرض سے بھی تقیہ کرنا جائز ہے۔جس طرح جان بچانے کے لئے تقیہ کرنا جائز ہے (چونکہ مسلمان کے مال کی حرمت اس کے خون جیسی ہے۔(۳)

نیز نیشا پوری لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے بوقت ضرورت مسلمانوں کے درمیان بھی تقیہ کو جائز قرار دیا ہے یعنی اگر کسی مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان سے

---

(۱) تفسیر بیضاوی، ج۳، ص ۲۴۳، طبع مؤسسة الاعلمی للمطبوعات، بیروت.

(۲) تفسیر کبیر رازی ذیل تفسیر آیت ۲۸ آل عمران.

(۳) تفسیر غرائب القرآن ج ۲ ص ۱۴۰ .

خوف محسوس ہو تو بوقت ضرورت تقیہ کر سکتا ہے جس طرح کسی کافر سے خوف محسوس ہو تو بھی تقیہ کر سکتا ہے۔

حسن بصری فرماتے ہیں" تقیہ قیامت تک کے لئے جائز ہے"۔(۱)

عن الحسن البصری قال التقیة جائزة للمؤمن الی یوم القیامة.

مخفی نہ رہے کہ تقیہ کی مشروعیت کے بارے میں ائمہ طاہرین علیہم السلام سے بہت روایات نقل ہوئی ہیں جن میں تقیہ کو مومن کی سپر سے تعبیر کیا گیا ہے، تفصیل کے لئے وسائل الشیعہ باب ۲۴ از ابواب امر و نہی کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ تقیہ کے احکام، احکام خمسہ کے ساتھ حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں مثلاً کبھی تقیہ واجب ہو جاتا ہے کبھی مستحب اور کبھی حرام ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روز عاشورہ امام حسینؑ نے تقیہ نہیں کیا چونکہ اصل دین خطرے میں تھا۔ لہٰذا امام حسینؑ نے بے مثال اور عظیم قربانی دے کر بنی امیہ کے حکمرانوں کو رسوا کر دیا اور اسلام کی گرتی ہوئی دیواروں کو بچالیا۔ ہر امام معصومؑ نے اپنے حالات کے مطابق عمل کیا ہے اور وہ اپنے وظیفے کو بہتر جانتے ہیں۔

(۱) صحیح بخاری کتاب الاکراہ. فتح الباری شرح. صحیح بخاری ج ۱۲ ص ۳۲۸. و کتب دیگر)

مخفی نہ رہے کہ تقیہ اہل سنت کے نزدیک بھی جائز ہے ، لیکن وہ لفظ ”تقیہ“ سے کتراتے ہیں۔ چونکہ تقیہ شیعہ کی تعبیرات سے ہے چنانچہ سنی عالم محمد بن عقیل علوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

اتفق اصحابنا علی جواز الکذب عند الضرورة بل و للمصلحة و هو عین التقیة لکن ان عبرت عنه بلفظ التقیة منعه کثیر منهم ، لکونه من تعبیرات الشیعة فالخلاف فیما یظهر لفظی والله أعلم.(۱)

ابن عقیل فرماتے ہیں ہمارے علماء کا ضرورت کے وقت، بلکہ مصلحت کے لئے جھوٹ بولنے کے جواز پر اتفاق ہے اور یہ عین تقیہ ہے لیکن اگر اس کو آپ تقیہ کے لفظ سے تعبیر کریں تو اس سے بہت سے علماء نے منع کیا ہے کیونکہ (لفظ تقیہ) شیعہ کی تعبیرات سے ہے پس اختلاف لفظی ہے (اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے)۔

---

(۱) النصائح الکافیة لمن یتولی معاویة ص ۲۲۷)

باب ششم

در مسئله فدك

ندارد

فدک

فدک مدینہ منورہ کے مضافات میں ایک علاقہ ہے وہاں سے دو دن کا راستہ ہے بعض نے تین دن بھی نقل کیا ہے یہ علاقہ پر ارزش اور نہایت اہمیت کا حامل تھا چونکہ یہ علاقہ سرسبز پر شاداب اور وہاں پانی کے چشمے اور کھجوروں کے باغات تھے۔ جس کی سالانہ آمدنی چوبیس ہزار دینار تھی۔ اور بعض روایات میں ستر ہزار دینار آمدنی کا ذکر آیا ہے اور اس اختلاف کی وجہ ممکن ہے کہ مختلف سالوں میں زراعت کے محصول، مختلف ہوں یعنی جتنی زیادہ محنت وہاں کی گئی ہو اس کے مطابق محصول بھی حاصل ہوا ہو۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آمدنی بھی قابل توجہ تھی (چونکہ دینار سونے کا ہوتا ہے) اور وہاں کی زمین بھی بہت قابل تھی۔ اس علاقے میں یہودی رہتے تھے جب سن ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا تو وہاں کے یہودیوں نے مرعوب ہو کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کی پیش کش کی (بعض روایات میں حضورؐ کا محیصہ بن مسعود کو یہودیوں کے ہاں انہیں دعوت اسلام کے لئے بھیجنے کا ذکر آیا ہے انہوں نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن صلح کی خواہش کی جس کو حضورؐ نے قبول کر لیا۔) خلاصہ یہ ہے کہ صلح کی قرارداد میں وہاں کے یہودیوں نے اپنی سب زمینوں اور باغات واموال کا نصف حصہ پیغمبرؐ اسلام کو دے دیا۔

مخفی نہ رہے قرآن کی نگاہ میں جو مال بغیر جنگ کے حاصل ہو تو وہ خالص پیغمبر کا مال ہوتا ہے اور اس اموال کی نسبت پیغمبرؐ کو مکمل اختیارات ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَمَآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنۡهُمۡ فَمَآ أَوۡجَفۡتُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ خَيۡلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيرٌ. مَّآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنۡ أَهۡلِ الۡقُرَىٰ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الۡقُرۡبَىٰ وَالۡيَتَٰمَىٰ وَالۡمَسَٰكِينِ وَابۡنِ السَّبِيلِ كَيۡ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيۡنَ الۡأَغۡنِيَآءِ مِنكُمۡ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمۡ عَنۡهُ فَانتَهُواْ وَاتَّقُواْ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الۡعِقَابِ﴾ (۱)

اور خدا نے جو کچھ ان کی طرف سے مال غنیمت اپنے رسول کو دلوایا ہے جس کے لئے تم نے گھوڑے یا اونٹ کے ذریعے کوئی دوڑ دھوپ نہیں کی ہے لیکن اللہ اپنے رسولوں کو غلبہ عنایت کرتا ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ تو کچھ بھی اللہ نے اہل قریہ کی طرف سے اپنے رسول کو دلوایا ہے وہ سب اللہ، رسول اور رسول کے قرابت دار، ایتام، مساکین اور مسافران غربت زدہ کے لئے ہے تاکہ سارا مال صرف مالداروں کے درمیان گھوم پھر کر نہ رہ جائے۔ اور جو کچھ بھی رسول تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ

(۱) پارہ ۲۸ سورہ حشر آیات ۶ . ۷ .

سے ڈرو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

فدک خالصاً رسول خداؐ کے لئے تھا اور وہ ان اموال کی نسبت مکمل اختیارات رکھتے تھے۔ آیت میں یتامیٰ وغیرہ کا ذکر ان اموال کے مصرف کے بیان میں ہے۔ اہل سنت کی کتب میں بھی تصریحات موجود ہیں کہ فدک خالصاً رسول خدا کے لئے تھا۔ چنانچہ طبری لکھتے ہیں۔ کانت فدک خالصةً لرسول الله فدک خالصۃ رسول خدا کے لئے تھا۔ (۱)

چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے:

و کان نصف فدک خالصاً لرسول الله لانه لم یوجف المسلمون علیه بخیل ولا رکاب. (۲)

چنانچہ عمر کا قول بھی یہی ہے:

ان الله قد خص رسول الله فی هذا الفیء بشی لم یعطه احداً غیره ثم قرأ وما افاء الله علی رسوله فمنهم الی قوله قدیر) فکانت هذه خالصة لرسول اللهؐ. (۳)

(۱) تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۳۸ حوادث سنه ۷.

(۲) تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۲۴.

(۳) صحیح بخاری و فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب فرض الخمس ج ۶ ص ۲۲۸ و ج ۱۲ ص ۸ کتاب الفرائض.

جب سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۲۶ ﴿وَ اٰتِ ذَالقربیٰ حقه﴾ اتری تو آپؐ نے فدک حضرت فاطمہؑ کو عطا فرمایا:

عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت هذه الآية و آت ذالقربی حقه دعا رسول الله فاطمة فاعطاها فدكا.(۱)

ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ جب یہ آیت ﴿وَ اٰتِ ذَالقربیٰ حقه﴾ اتری تو رسول خداؐ نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلایا اور فدک انھیں عطا فرمایا۔

اگرچہ سورہ بنی اسرائیل مکی ہے لیکن اس میں پانچ آیات مدنی ہیں جن میں یہ آیت بھی ہے اور ممکن ہے آیت میں ذی القربیٰ کا حق مکہ میں تشریع ہوا ہو اور اس پر عمل مدینہ میں ہوا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی فدک حضرت فاطمہؑ کے تصرف میں آگیا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد خلافت غدیر کے مقابلے میں جب خلافت سقیفہ منعقد کی گئی تو سقیفائی خلیفہ نے فدک کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے چھین لیا اوران کے کارندوں کو وہاں سے نکال دیا تاکہ اس ذریعہ سے اہل بیت علیہم السلام کی معیشت کو کمزور کر دیا جائے اور لوگ حضرت علی علیہ السلام کی طرف میلان نہ کریں۔

(۱) در منثور ج ۴ ص ۱۵۳ و کتب دیگر.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد خلافت غدیر کو دبانے کے لئے بہت ناگوار واقعات پیش آئے۔(۱) حضرت فاطمہؑ نے مسجد رسول میں جا کر فدک کا مطالبہ کیا تو سقیفائی خلیفہ نے حضرت فاطمہؑ سے گواہوں کا مطالبہ کیا جب انہوں نے رسولؐ کے غلام رباح اور آپؐ کی کنیز ام ایمن کو گواہ کے طور پر پیش کیا تو حاکم وقت نے نصاب کی کمی کا بہانہ کر کے گواہوں کو رد کر دیا۔

اور وفاء الوفاء باب صدقات النبیؐ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے گواہ کے طور پر شہادت دی تو حاکم نے ایک اور شاہد طلب کیا تو ام ایمن نے گواہی دی لیکن اس گواہی کو بھی رد کر دیا گیا۔ حالانکہ گواہوں کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ اولاً تو حضرت فاطمہؑ بنص آیت تطہیر معصومہ ہیں اور معصوم جھوٹ نہیں بولتا۔

و ثانیاً۔ وہ ذوالید تھیں اور فدک ان کے تصرف میں تھا جو کہ ان کی ملکیت پر دلالت کرتا ہے۔

و ثالثاً۔ باوجود عصمت اور ذوالید ہونے کے انہوں نے گواہ بھی پیش کر دیے تھے اور نصاب بھی کامل تھا چونکہ رباح اور حضرت علیؑ دو مرد تھے بینہ کاملہ تھا چنانچہ حضرت علیؑ کی گواہی کو حاکم وقت نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ شوہر کی گواہی زوجہ کے حق میں قبول نہیں۔ حالانکہ اہل سنت کے دو قولوں میں ایک قول کی بناء پر ایسی گواہی قبول ہوتی ہے۔

---

(۱) جن کا انکار سوائے جاہل اور مغرض کے کوئی نہیں کر سکتا۔

حالانکہ حضرت علیؑ بھی بنص آیت تطہیر معصوم ہیں ان کی گواہی کو مان لینا چاہیے تھا۔ اگر اہل سنت حضرت علیؑ کو معصوم نہیں ماننا چاہتے تو کم از کم عادل تو مانتے ہیں اور حضرت علیؑ سے بڑھ کر اور کون متقی اور عادل ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی حضرت علیؑ کی گواہی کو رد کر دیا گیا۔ اور حاکم نے حدیث لانورث کہ حضورؐ نے فرمایا ہم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، سنا کر حضرت فاطمہؑ کو فدک دینے سے انکار کر دیا۔ تو حضرت فاطمہؑ نے قرآنی آیات پڑھیں جن میں انبیاء کی وراثت کا واضح ثبوت ہے: وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (۱) اور سلیمان نبی (اپنے باپ) داؤد کے وارث ہوئے۔

اور اس آیت میں وراثت سے مراد وراثت مال ہے جس کی کئی ایک علماء اہل سنت نے بھی تصریح کی ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ کو اپنے باپ کی وراثت سے ایک ہزار گھوڑا بھی ملا ہے (۲) اگر اس آیت سے وراثت مالی مراد نہ ہوتی تو پیغمبرؐ کی عظیم الشان بیٹی فاطمہؑ ہرگز اپنی تائید میں اس آیت کو پیش نہ کرتیں۔

حضرت سلیمانؑ کے اور بھائی بھی تھے لیکن قرآن میں صرف حضرت سلیمانؑ کا ذکر آنا ان کی عظمت کی وجہ سے ہے۔ جناب سیدہ حضرت فاطمہؑ نے

---

(۱) پارہ ۱۹ سورہ نمل آیت ۱۶۔

(۲) مختصر تفسیر القرآن للخازن ج ۲ ص ۱۰۰۶ ذیل آیت ۳۱ از سورہ ص پ ۲۳

سورہ مریم کی آیات ۵، ٦ کو بھی پڑھا جن میں حضرت زکریاؑ نبی کا خدا سے اپنا وارث مانگنے کا ذکر آیا ہے۔ حالانکہ قرآن کی قانونی وراثت کے بارے میں عمومی نصوص (۱) بھی حضرت فاطمہؑ کے میراث پانے کے حق کو ثابت کرتیں ہیں اور حدیث لانورث سے ان آیات کے عموم کو تخصیص نہیں لگائی جاسکتی۔

حدیث لانورث کا جواب

اولاً تو حدیث لانورث قطع نظر اس کی صحت کے کہ خبر واحد ہے۔ اور خبر واحد کے ساتھ قرآن کے عموم کی تخصیص لگانے کے بارے میں اہل سنت کا اتفاق نہیں ہے بلکہ اس میں چار قول پائے جاتے ہیں:

۱:۔ جواز ۲:۔ عدم جواز ۳:۔ تفصیل ۴:۔ توقف۔(۲)

وثانیا اگر حدیث لانورث صحیح ہوتی تو کم سے کم اہل بیتؑ کو اس کا علم ہونا چاہیے تھا تاکہ وہ فدک کا مطالبہ ہی نہ کرتے چونکہ اس حدیث کے مطابق انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ وہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور وہ سب امت کے لئے ہے۔ حالانکہ حضرت فاطمہؑ نے فدک کا مطالبہ کیا ہے اور حضرت علیؑ نے فدک کے بارے میں گواہی دی ہے اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو باب مدینۃ العلم کو اس کے بارے میں ضرور علم ہونا چاہیے تھا نیز عثمان نے فدک کو مروان کے حوالے کیوں کیا اور اسے پوری امت پر خرچ کیوں نہ کیا اگر یہ حدیث لانورث صحیح ہوتی تو عمر بن

(۱) پ ۵ سورہ نساء آیات ۱۱، ۳۳، ۷، و پ ۲۱ سورہ احزاب آیت ٦

(۲) ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول ص ۵۲۱)

عبد العزیز جس کو اہل سنت عادل خلیفہ مانتے ہیں نے فدک کو بنی ہاشم کے حوالے کیوں کیا۔ نیز مامون الرشید عباسی نے فدک کو بنی ہاشم کے حوالے کیوں کیا تو معلوم ہوا کہ اہل سنت کے یہ خلفاء حدیث لانورث کو صحیح نہیں سمجھتے تھے قرآن کے حکم عام کو تخصیص، خبر صحیح سے لگے گی نہ کہ خبر مشکوک اور باطل سے، لہٰذا مقام میں تخصیص کا دعویٰ باطل ہے۔

سیدہ فاطمہؑ نے مسجد میں ایک عظیم الشان خطبہ بھی پڑھا کما فی بلاغات النساء و شرح نهج البلاغه لا بن الحديد و البحار و غير ذلك (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد متاسفانہ بہت سے تلخ اور ناگوار واقعات رونما ہوئے اے کاش کہ ایسا نہ ہوتا ان واقعات کی تفصیل کو کتب تاریخ وحدیث میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں) جب سقیفائی خلیفہ نے فدک دینے سے انکار کیا تو محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ اس پر غضب ناک ہوئیں اور پھر مرتے دم تک اس سے بات نہیں کی۔

فغضبت فاطمة بنت رسول الله فهجرت ابابكر فلم تزل مهاجرته حتى توفيت .(۱)

اور فاطمہ سلام اللہ علیہا نے وصیت کی کہ میرا حق چھیننے والے میرے

---

(۱)صحيح بخارى ، فتح البارى ج ٦ ص ٢٢٧ باب فرض الخمس و كتب ديگر)

جنازے میں شریک نہ ہوں اور مجھے رات کو دفن کیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے ان کی وصیت کے مطابق ان کا حق چھیننے والوں کو ان کے جنازہ کی خبر نہیں کی اور انھیں رات ہی کو دفن کر دیا۔

فلما توفیت دفنها زوجها علیؑ لیلاً و لم یؤ ذن بها ابابکر و صلّی علیها و صحّ أن علیا دفن فاطمۃ لیلاً .(۱)

عسقلانی شارح بخاری لکھتا ہے کہ یہ خبر صحیح ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہؑ کو رات میں دفن کیا گیا ہے۔(۲)

حالانکہ اسی صحیح بخاری میں فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا: فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبی. فاطمہ میرا ٹکڑا

---

(۱) فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۴ کتاب المغازی و کتب دیگر)

(۲) ہم نے اپنی اس کتاب میں اس موضوع کی طرف اشارہ اس لئے کیا ہے چونکہ بعض نئی کتب جو لکھی گئی ہیں ان میں اس موضوع کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ فدک جیسا اہم مسئلہ جو کہ مذہب حقہ شیعہ کی صداقت کا واضح ثبوت ہے یہ فراموش ہو جائے اس موضوع پر ہمارے علماء، محققین نے تحقیقی خدمات انجام دی ہیں جو کہ فارسی، عربی اور اردو میں طبع ہوئی ہیں اگر چہ اس پر آشوب اور فتنہ کے دور میں دنیا کی خاطر نادان اور مشکوک لوگ انکار کر رہے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں وسوسے اور شبہات ڈال کر، ان کو مذہب حقہ سے دور کرنے کی کوشش میں مشغول ہیں مومنین کا وظیفہ یہ ہے کہ اس قسم کے مشکوک لوگوں سے بچ کر رہیں خداوند متعال بحق محمد وآل محمد علیہم السلام سب کو حق پر ثابت قدم رکھے۔

ہے اور جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔(۱)

بسند صحیح، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

انَّ فاطمة عليها السلام صدّيقة شهيدة .(۲)

بے شک فاطمہ صدیقہ اور شہیدہ ہیں۔

طالبین حق درج ذیل سوالات پر خوب غور وفکر کریں۔ ہوسکتا ہے جو گذشتہ اوراق کے مطالعہ سے ابھی تک خواب غفلت سے بیدار نہیں ہو سکے، اس حساس موضوع اور مظلومیت حضرت زہراؑ پر، جاگ اٹھیں:۔

۱ :۔ جب ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی نے حضورؐ کی رحلت کے بعد فدک کا مطالبہ کیا ہے، تو کیا فدک ان کو واپس کر دیا گیا ؟

۲ :۔ کیا بہشتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ علیہا السلام فدک چھیننے والوں پر ناراض نہیں ہوئیں ؟

۳ :۔ کیا یہ صحیح ہے کہ خاتون جنت علیہا السلام نے، جن لوگوں نے ان کی ہتک کی تھی ان کو اپنے جنازے میں شریک نہ ہونے کی وصیت کی تھی ؟

۴ :۔ کیا آپ حضرت فاطمہ علیہا السلام کو حق پر سمجھتے ہیں یا ان کو

---

(۱) صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابة باب مناقب ، فتح الباری ج ۷ ص۹۷. ۱۳۱ و کتب دیگر)

(۲) اصول کافی ج ۱ ص ۴۵۸ .

جنہوں نے بضعۃ مصطفیٰ کو ناراض کیا ہے؟

۵ :۔ کیا یہ صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ علیہا السلام میرا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ علیہا السلام کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا؟

۶ :۔ جن لوگوں نے خاتون جنت علیہا السلام کو ناراض کیا ہے، آپ ایسے لوگوں کی طرف داری کر کے قیامت کے دن، رسول خدا ص کو کیا منہ دکھائیں گے؟

باب هفتم

در مسئله بنات پیغمبرؐ

٩٥١٨٩

بنات پیغمبرؐ

اہل سنت اور شیعہ کے درمیان ایک نزاع مسئلہ بنات کا ہے، اہل سنت کہتے ہیں کہ حضورؐ کی چار بیٹیاں تھیں اور محققین شیعہ کے نزدیک آنجنابؐ کی ایک بیٹی تھی اور وہ حضرت فاطمہ علیہا السلام تھیں۔

اہل سنت نے اپنے مدعی کو ثابت کرنے کے لئے تین طرح کی دلیلوں سے تمسک کیا ہے۔

۱۔ سورہ احزاب کی آیت ۵۹ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا.﴾

اے نبی! آپ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادر کو اپنے اوپر لٹکائے رہا کریں کہ یہ طریقہ ان کی شناخت یا شرافت سے قریب تر ہے اور اس طرح ان کو اذیت نہ دی جائے گی اور خدا بہت بخشنے والا مہربان

ہے۔

۲۔شیعہ کتب سے چند روایات سے تمسک۔

۳۔ایک دعا کی عبارت سے تمسک۔

امّا الجواب:

اولاً۔یہ آیت پردہ کے حکم کے بیان میں ہے اور نزول آیت کے وقت زینب اور رقیہ کی حیات کا ثبوت اہل سنت کے ذمہ ہے۔

دثانیاً۔بنا تک میں ممکن ہے جمع تعظیمی مراد ہو۔

دثالثاً۔ممکن ہے اس آیت میں سادات عظام کی تمام بیٹیاں مراد ہوں کیونکہ پردہ کا حکم قیامت تک کے لئے ہے،اذا جاء الاحتمال فبطل الاستدلال.

ورابعاً۔محققین شیعہ کے نزدیک زینب، رقیہ اور امّ کلثوم، رسول خداؐ کی صلبی (حقیقی) بیٹیاں نہیں تھیں، بلکہ ربیبہ (پالتو) بیٹیاں تھیں، چونکہ حضورؐ کے گھر ان کی تربیت ہوئی تھی، لہٰذا لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ یہ حضورؐ کی بیٹیاں ہیں، چونکہ بنت کا اطلاق ربیبہ پر بھی ہوتا ہے، لہٰذا مقام میں اور دیگر روایات میں اگر ان پر بنت کا اطلاق ہوا ہے تو وہ بلحاظ ربیبہ ہونے کے ہے، چونکہ زینب اور رقیہ حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں اور ان کا والد فوت ہوا تو حضرت خدیجہ ان کو اپنے گھر لے آئیں، رسول خداؐ اور حضرت خدیجہؑ نے ان کی پرورش کی،(۱) زمانہ جاہلیت میں

---

(۱) ←

عربوں کی یہ رسم تھی کہ جو کوئی یتیم کی پرورش کرتا تھا تو وہ یتیم اس کی طرف منسوب ہو جاتا تھا۔

اہل سنت کی دوسری دلیل چند روایات ہیں جس میں ایک روایت حیوۃ القلوب کی ہے۔

اما الجواب:

یہ روایت قرب الاسناد سے لی گئی ہے اور اس کا روای مسعدہ بن صدقہ ہے جو کہ بتری، عامی تھا، یعنی سنی تھا، کما فی الکشی و الخلاصہ(۲) لہٰذا اہل سنت راوی کی روایت مقام میں قابل قبول نہیں ہے۔

اما اصول کافی کی روایت کہ فولد قبل مبعثه علیه السلام القاسم و رقية و زينب و امّ كلثوم.

فالجواب:

مقام میں جو جواب دیئے گئے ہیں یا دیئے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

اولاً: یہ روایت ابواب التاریخ میں ہے جس کا تعلق تاریخ سے ہے اور یہ روایت یہاں معصوم علیہ السلام سے نقل نہیں ہوئی۔

← (۱) الاستغاثه کوفی، ص ۸۰. ۸۱، کامل بهائی، جز اول، ص ۲۶۴. ۲۶۵، الکلم الطیب، ص ۴۴۰ تا ۴۴۱، و کتب دیگر.

(۲) رجال علامه حلّی، ۲۶۰، (قال الشیخ انه عامی و قال الکشی انه بتری.)

وثانیاً: اس تاریخی بات میں بلاتحقیق روایات بھی نقل ہوئی ہیں جیسا کہ اسی باب کی پہلی روایت میں ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی، جبکہ شیعہ کے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ آنجناب ؐ کی ولادت سترہ ربیع الاول کو ہوئی ہے۔

وثالثاً: مذکورہ مضمون جو نقل ہوا ہے ممکن ہے کہ یہ جناب کلینی کا ذاتی نظریہ ہو یا جمہور عامہ کا نظریہ انھوں نے نقل کیا ہو۔

ورابعاً: اہل سنت کو اپنے مدعی کے اثبات کے لئے صحیح السند روایت پیش کرنا چاہئے نہ کہ مجہول السند روایت کما فی المقام۔

وخامساً: اصول کافی ج۱، ص۳۸۱ کتاب الحجۃ میں باب مولد الزہرا فاطمہ علیہا السلام موجود ہے لیکن کسی دوسری بیٹی کا باب موجود نہیں ہے۔

وسادساً: مذکورہ عبارت کے ظاہر سے رقیہ کا بڑی بیٹی ہونا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ اہل سنت کے نزدیک زینب سب سے بڑی تھیں۔

مخفی نہ رہے کہ اہل سنت کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان لڑکیوں میں سب سے بڑی کون تھی؟ یہ اختلاف بذات خود اہل سنت کے مدعی کے وہن کا موجب بنتا ہے۔

اما بحار الانوار کی روایت:

اولاده ولد من خديجة القاسم و عبد الله و هما الطاهر و

الطیب و اربع بنات زینب و رقیة و ھی آمنة و فاطمة.

فالجواب:

اولاً: یہ عبارت مناقب آل ابی طالب شہر آشوب کی ہے اور یہ روایت بلاسند نقل ہوئی ہے۔

وثانیاً: ابن شہر آشوب نے، مقدمہ کتاب میں تصریح کی ہے کہ اس کتاب میں عامہ اور خاصہ یعنی اہل سنت اور شیعہ دونوں کی روایات نقل کی گئی ہیں، خود مؤلف نے روایت کو ذکر کرنے کے بعد انوار، کشف، لمع اور بلاذری کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ زینب اور رقیہ دونوں ربیبہ تھیں، (مناقب شہر آشوب، ج۱، ص۱۶۲)

بحار الانوار کی بحوالہ خصال روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کے سلسلہ سند میں علی بن ابی حمزہ بطائنی ہے اور اکثر علماء نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۱)

امّا مفاتیح کی دعا:

اللھم صل علی رقیة بنت نبیک و العن من اذی نبیک فیھا، اللھم صل علیٰ امّ کلثوم بنت نبیک و العن من اذی نبیک فیھا.

---

(۱) جامع الرواۃ، ص ۵۴۷، اصول علم الرجال، ص ۵۳۰.

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً اگر یہ روایت، معصوم سے بسند صحیح بھی ثابت ہو تو پھر بھی اہل سنت کا مدّعی ثابت نہیں ہے چونکہ ربیبہ پر بھی بنت کا اطلاق ہوتا ہے، لہٰذا یہاں ربیبہ (پالتو) بیٹیاں مراد ہوں گی۔

وثانیاً: اس صلوات (دعا) میں صرف تین بیٹیوں کا ذکر آیا ہے اور زینب کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ اہل سنت کا مدعی یہ ہے کہ حضورؐ کی چار بیٹیاں تھیں۔

وثالثاً: رقیہ اور ام کلثوم کو کس نے اذیت دی جس کی وجہ سے اذیت دینے والے پر لعنت کی جارہی ہے۔

ورابعاً: ممکن ہے ان سے مراد حضرت علی علیہ السلام کی بیٹیاں ہوں۔

تذکر: مخفی نہ رہے کہ نہج البلاغہ کی عبارت: و قد نلت من صهره ما لم ینالا میں مِنْ تبعیضیہ ہے چونکہ رقیہ اور ام کلثوم حضور کی صلبی بیٹیاں نہیں تھیں تو جس کے نکاح میں یہ تھیں وہ داماد بھی حقیقی داماد نہیں تھا، لہٰذا امیر المومنین علیہ السلام نے مِنْ تبعیضیہ فرمایا ہے کہ تو نے آنجنابؐ کی دامادی سے کچھ پایا ہے، مسلم شریف (۱) میں یہی لفظ صہر حضرت علی علیہ السلام کے لئے مِنْ کے بغیر استعمال ہوا ہے چونکہ حضرت علی علیہ السلام حضورؐ کے حقیقی داماد تھے، لہٰذا من تبعیضہ استعمال نہیں ہوا۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب تحرم الزکوٰۃ علی رسول اللہ، و هم بنو هاشم و بنو عبد المطلب دون غیرهم.

خلاصہ یہ کہ زینب، ام کلثوم، رقیہ رسول خدا کی صلبی حقیقی بیٹیاں نہیں تھیں بلکہ ربیبہ (پالتو) بیٹیاں تھیں، بنو امیہ نے حضرت علی علیہ السلام جو کہ حضور کے حقیقی داماد تھے اور یہ ان کے لئے فضیلت اور منقبت شمار ہوتی ہے، ان کی عظمت کو کم کرنے کے لئے پروپیگنڈہ کیا کہ ام کلثوم، رقیہ اور زینب یہ حضورؐ کی بیٹیاں تھیں، تا کہ عثمان کو دوہرا داماد ثابت کرسکیں۔

بنی امیہ کے دور حکومت میں حاکمان سقیفہ کی شان میں بہت حدیثیں جعل کی گئیں شان عثمان میں پیش کی جانے والی ایک روایت اہل سنت، کہ حضورؐ نے فرمایا: اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتی تو سب عثمان کو دیتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سلسلہ سند روایت میں نضر بن منصور ہے اور وہ ضعیف ہے، قال البخاری منکر الحدیث، بخاری نے کہا ہے کہ نضر بن منصور منکر الحدیث ہے، قال النسائی: ضعیف، امام نسائی نے نضر بن منصور کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۱)

اہل سنت کی ایک اور روایت کہ حضورؐ نے فرمایا:

ان اللہ اوحیٰ الیّ ان ازوج کریمتی عثمان، کہ اللہ نے میری طرف وحی فرمائی کہ میں اپنی دو بیٹیوں کی شادی عثمان سے کردوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو سلسلہ سند روایت میں عمیر بن عمران الحنفی

(۱) میزان الاعتدال، ج۵، ص ۳۸۹، طبع مصر، ذکر النضر.

ہے اور اس نے باطل چیزیں نقل کی ہیں، قال ابن عدی حدّث بالبواطیل۔(۱)

وثانیاً: بقول دولابی، رقیہ کا نکاح عثمان سے زمانہ جاہلیت میں ہوا، اس وقت تو وحی نازل ہی نہیں ہوئی تھی،(۲) فافہم جیداً۔

رسول خدا کے حقیقی داماد صرف حضرت علی علیہ السلام ہیں

عن ابی الحمراء ان رسول الله قال لعليٍ اوتيت ثلثا لم يوتهن احد و لا انا اوتيت صهرا مثلی و لم اوت انا مثلی، اوتيت زوجة صديقة مثل ابنتی و لم اوت مثلها زوجة اوتيت الحسن و الحسين من صلبك و لم اوت من صلبی مثلهما و لكنكم منی و انا منكم.(۳)

ابو الحمرا اصحابی رسول سے مروی ہے کہ رسول خداؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو فرمایا: آپ کو تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو کسی کو نہیں دی گئی ہیں اور نہ ہی مجھے دی گئی ہیں:

۱) آپ کو مجھ جیسا خُسر دیا گیا اور مجھے ایسا نہیں دیا گیا۔

---

(۱) ميزان الاعتدال، ج ۴، ص ۲۱۶.

(۲) ذخائز العقبیٰ، فصل خامس، ص ۱۶۲.

(۳) رياض النضرة فی مناقب العشرة المبشرة، ج ۲، ص ۲۰۲، طبع مصر.

۲) آپ کو میری بیٹی جیسی صدیقہ زوجہ دی گئی اور مجھے ایسی زوجہ نہیں دی گئی۔

۳) آپ کو حسن اور حسین علیہما السلام آپ کے صلب سے دئے گئے اور مجھے ان دونوں جیسے میرے صلب سے نہیں دئے گئے، ہاں مگر تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

نوٹ: اگر عثمان حضورؐ کا حقیقی داماد ہوتا تو حضورؐ ہرگز حضرت علی علیہ السلام کے لئے یہ نہ فرماتے کہ آپ کو مجھ جیسا خُسر دیا گیا (جو کسی اور کو نہیں دیا گیا)

جب حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے لئے یہ فرمایا تو کسی نے حضورؐ پر اعتراض نہیں کیا کہ یا رسول اللہؐ! آپ تو عثمان کے دوہرے خُسر ہیں۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ یہ تینوں لڑکیاں حضورؐ کی صلبی بیٹیاں نہیں تھیں بلکہ ربیبہ بیٹیاں تھیں۔(۱)

جن روایات میں لفظ بنات کا اطلاق ہوا ہے اولاً تو وہ روایات ضعیف السند ہیں اور بعض روایات بلاسند ہیں۔

اگر فرضاً صحیح السند بھی ہوں تو ان میں، بنات سے مراد ربیبہ ہیں چونکہ بنت کا اطلاق ربیبہ پر بھی ہوتا ہے، کما مرّ، اور اگر ہماری بعض کتب میں چار بیٹیوں کا ذکر آیا ہے تو یہ قول اہل سنت سے ماخوذ ہے اور بلا تحقیق ہے۔

---

(۱) ہم نے اس مسئلہ بنات اور عقد ام کلثوم پر اپنی تحقیقی کتاب مستند المناظرین (بزبان فارسی) میں تفصیلی بحث کی ہے ان شئت التفصیل فراجع هناک.

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان ناقلین کی مراد بھی، بنات زینب، ام کلثوم، رقیہ سے ربائب ہوں، اگرچہ لفظاً صراحت نہ بھی کی گئی ہو، چونکہ محققین شیعہ کے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلبی بیٹی صرف ایک ہی ہیں، اور وہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔

باب هشتم

در عقد ام کلثوم

عقد ام کلثوم

اہل سنت اور شیعہ کے درمیان اس مسئلہ پر بھی بحث ہے کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح عمر بن خطاب سے کیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ محققین شیعہ نے اس نکاح کا شدت سے انکار کیا ہے، اور حق بھی یہی ہے کہ جناب ام کلثوم بنت علیؑ کا نکاح عمر کے ساتھ ہرگز نہیں ہوا اور اس بات کی دلیل امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

ان الناس يحتجون علينا و يقولون ان اميرالمومنين زوج فلانا ابنته و كان متكاً فجلس و قال يقولون؟ ان قوماً يزعمون ذلک لا يهتدون الى سواء السبيل، سبحان الله ما كان يقدر امير المومنين ان يحول بينه و بينها فنقذها كذبوا.(۱)

شیخ صدوق سے منقول ہے کہ ثقۃ جلیل عمر بن اذنیہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا، لوگ ہم پر حجت قائم کرتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام

---

(۱) بحار الانوار، ج ۴۲، باب ۱۲۰، ص ۸۸، مرأة العقول، جز ۲۰، ص ۴۲.

نے فلاں کو لڑکی بیاہ دی، امام ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، یہ سن کر جوش غیرت میں اٹھ کر بیٹھے، اور فرمایا: جو لوگ ایسا گمان کرتے ہیں، وہ راہ راست کی طرف ہدایت پانے والے نہیں ہیں، سبحان اللہ کیا امیر المومنین اس بات پر قادر نہ تھے کہ وہ اپنی لڑکی کو ان سے چھڑا سکتے، اور ان کے اور اس کے درمیان حائل ہوتے، انھوں نے یہ گمان کر کے جھوٹ بولا ہے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے بھی اس نکاح کی تردید کی ہے

ان الخبر الوارد بتزويج امير المومنين ابنته من عمر غيرثابت و طريقه من الزبير بن بكار و طريقه معروف لم يكن موثوقاً به في النقل و كان متهماً فيما يذكر من بغضه لامير المومنين و غير مامون فيما يدعيه عنهم على بني هاشم الخ. (۱)

یہ روایت جو وارد ہوئی ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی لڑکی عمر کو بیاہ دی بالکل ثابت نہیں ہے، چونکہ اس کا راوی زبیر بن بکار ہے جس کا طریقہ مشہور ہے یہ شخص نقل روایت میں نا قابل اعتماد ہے، اور متہم ہے، چونکہ یہ شخص جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کا دشمن تھا اور بنی ہاشم پر اپنے دعووں میں بالکل نا قابل اعتبار ہے، درحقیقت یہ روایت اس لئے نشر ہوگئی کہ ابو محمد یحيٰ بن حسن صاحب

(۱) بحار الانوار، ج ۴۲، ص ۱۰۷، مرآۃ العقول، جز ۲۰، ص ۴۳. و کتب دیگر.

نسب نے اپنی کتاب میں اس کو لکھ دیا ہے، لوگوں نے علوی سمجھ کر اس روایت کو حق سمجھ لیا ہے حالانکہ اس نے یہ روایت زبیر بن بکار سے لی ہے، اور یہ روایت بھی بذات خود مختلف طور پر نقل کی گئی ہے، یہ زبیر بن بکار کبھی یہ نقل کرتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے خود اپنی بیٹی کا عقد کیا، کبھی روایت کرتا ہے کہ عباس کو اس عقد کا متولی بنایا، کہیں روایت کرتا ہے کہ عقد عمر کی دھمکیوں پر واقع ہوا، کبھی کہا ہے کہ اختیار وایثار پر یہ عقد واقع ہوا، پھر بعض لوگوں نے روایت کی ہے کہ عمر کا ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جس کا نام زید ہے، بعض کہتے ہیں زید بن عمر کی اولاد بھی ہے، بعض کہتے ہیں کہ بے اولاد تھا، بعض کہتے ہیں یہ اور اس کی ماں دونوں قتل کئے گئے، کوئی کہتا ہے کہ ماں بعد میں زندہ رہی، کوئی کہتا ہے کہ عمر نے چالیس ہزار حق مہر مقرر کیا کوئی کہتا ہے کہ چار ہزار مہر دیا، کوئی کہتا ہے پانچ سو درہم دیا، اور اس قول کی ابتداء اور اس واقعہ میں اختلاف کی کثرت اصل روایت کے باطل ہونے کی دلیل ہے جس کی کوئی تاثیر نہیں ہو سکتی۔(۱)

یہ امّ کلثوم کون تھی؟ حقیقت کیا ہے؟

بعض محققین نے ملک العلماء دولت آبادی کی کتاب ہدایۃ السعداء سے نقل کیا ہے کہ اسماء بنت عمیس پہلے حضرت جعفر طیار کی زوجہ تھیں، پھر ابوبکر کے نکاح

(۱) مخفی نہ رہے کہ عقد ام کلثوم کی ردّ میں محققین شیعہ نے مختلف زبانوں میں عربی، فارسی اردو وغیرہ میں گرانقدر تالیفات تحریر فرمائی ہیں، جزاہم اللہ خیر الجزا۔

میں آئیں، ابو بکر سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بنام ام کلثوم پیدا ہوئی، (پھر ابو بکر کی وفات کے بعد) حضرت علی علیہ السلام کے نکاح میں آئیں، ام کلثوم اپنی ماں کے ساتھ آئی، عمر بن خطاب نے ام کلثوم، ابو بکر کی بیٹی سے نکاح کیا۔

سوال: بعض روایات میں ام کلثوم بنت علی کہا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ آپ کی بیٹی تھیں؟

جواب: چونکہ امّ کلثوم نے حضرت علی علیہ السلام کے گھر تربیت پائی تو لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ یہ علی علیہ السلام کی بیٹی ہے، جیسا کہ امّ کلثوم کے بھائی محمد بن ابی بکر کو حضرت علی علیہ السلام کا بیٹا کہا گیا چونکہ ان کی بھی حضرت علی علیہ السلام کے گھر پرورش ہوئی۔

چونکہ ربیبہ (پالتو بیٹی) پر بھی بنت کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا امّ کلثوم کو بنت علیؑ کہا گیا، اور مغرضین نے اس مسئلہ کو بعض دواعی کی وجہ سے ہوا دی ہے، اور لوگوں کو اشتباہ میں ڈالنے کی سعی کی ہے کہ امّ کلثوم سے مراد امّ کلثوم بنت علی ہیں، حالانکہ امّ کلثوم جو کہ حضرت علی علیہ السلام کی صلبی بیٹی تھیں ان کا نکاح صرف حضرت عون بن جعفر طیار سے ہوا ہے، اور کسی سے نہیں ہوا، چنانچہ محقق گرانقدر احمد رحمانی ہمدانی نے اپنی کتاب میں بحوالہ محقق دخیل، تصریح کی ہے: انہا لم تزوج بغیر ابن عمہا۔(۱)

---

(۱) فاطمة الزهرا، ص ۶۵۰.

نیز محقق ہمدانی نے بھی عمر کے ساتھ امّ کلثوم بنت علیؑ کے عقد کا انکار کیا ہے۔(۱)

مخفی نہ رہے کہ ام کلثوم کے متعدد نکاحوں کا جو ذکر بعض کتب میں آیا ہے وہ اہل سنت سے ماخوذ ہے اور یہ قول بلا تحقیق ہے۔

سوال: فروع کافی میں تزویج امّ کلثوم کا جو ذکر آیا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: یہاں امّ کلثوم بنت علی یا بنت فاطمہ کی تصریح نہیں ہے، روایت کے معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی دلالت بھی مدعی پر تمام ہو۔

یہاں بھی امّ کلثوم سے مراد امّ کلثوم بنت ابی بکر ہے، جس کو بلحاظ ربیبہ علیؑ ہونے کے بنت علیؑ کہا جا سکتا ہے۔

ان ذلک فرج غصبناه، سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام چونکہ اس بچی کے سرپرست تھے کیونکہ اس کی پرورش آنجنابؑ کے گھر ہوئی تھی، آپ، ثانی کی تند مزاجی اور دیگر وجوہات کی وجہ سے نہیں چاہتے تھے کہ امّ کلثوم کا نکاح اس سے ہو، لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے امّ کلثوم بنت ابی بکر کا نکاح کیا گیا، فافہم جیداً۔

خلاصۃ الکلام یہ کہ جناب امّ کلثوم بنت علی علیہ السلام کا نکاح عمر سے ہرگز

---

(۱) فاطمة الزهرا، ص ۶۵۸.

نہیں ہوا، اوراس کی دلیل یہ ہے کہ عمر بن خطاب کے نکاح میں جو ام کلثوم تھی اس کے بطن سے ایک لڑکا بنام زید پیدا ہوا اور دونوں ماں بیٹے کی وفات ایک ہی معاویہ کی حکومت میں ہوئی، حالانکہ امّ کلثوم بنت علی علیہ السلام ۶۱ ہجری میں کربلا میں موجود تھیں جس پر تمام مورخین اور صاحبان مقاتل کا اتفاق ہے۔

چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے الوداعی سلام میں ان کا نام لیا ہے، اورانھوں نے دوران اسیری خطبے بھی پڑھے ہیں، فوتگی کے بعد پھر کربلا میں حاضر ہونا یہ کیسے ممکن ہے، تو معلوم ہوا کہ جو امّ کلثوم، عمر بن خطاب کے نکاح میں تھی، وہ ہرگز امّ کلثوم بنت علیؑ نہیں تھی، بلکہ وہ امّ کلثوم نامی کوئی اور عورت تھی، خواہ وہ بنت ابی بکر ہو یا امّ کلثوم بنت جرول خزاعی ہو، اتنی بات مسلم ہے کہ وہ علی علیہ السلام کی صلبی بیٹی نہیں تھی۔

اور کربلا میں امّ کلثوم بنت علی علیہ السلام جو کہ بطن حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے تھیں موجود تھیں، **فافهم جیداً**.

باب نهم

در عزاداری امام حسین (ع)

عزاداری

﴿لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾(۱)

اللہ (کسی کے) کھلے لفظوں میں بُرا کہنے کو پسند نہیں کرتا مگر مظلوم (ظالم کی برائی بیان کرسکتا ہے)

مصیبت کے وقت گریہ و بکاء ایک فطری چیز ہے اور شریعت اسلام نے اس سے منع نہیں کیا، بطور کلی سب ادیان اور مذاہب میں ہر دور میں بزرگان کی یاد منانا عقلاء کے نزدیک ممدوح چیز ہے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ جب آل محمد علیہم السلام کے محبّ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی یاد مناتے ہیں تو متعصب قسم کے لوگوں کی طرف سے اعتراضات شروع ہوجاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام، دشمنان آل محمدؐ کے منحوس چہروں سے پردہ اٹھاتی ہے، اور بنی امیہ کے مظالم کو آشکار کرتی ہے، لہٰذا ان کی اوران کے اتباع کی سیاست اس بات کی متقضی تھی کہ ہر دور میں طرح طرح کے وسائل سے، عزاداری کو روکیں، لہٰذا قلموں کو خریدنا شروع کیا تاکہ عزاداری کے

---

(۱) سورہ نساء، آیت ۱۴۸.

خلاف فتویٰ صادر کریں اور کبھی طاقت کا استعمال کیا اور کررہے ہیں اور کبھی عجیب و غریب شبہات ڈال کر لوگوں کو عزاداری سے روکنے کی کوشش کی۔

خلاصہ یہ کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام، ظلم کے مقابلہ میں ایک قسم کا احتجاج ہے، عزاداری کے ذریعہ حسینیوں اور یزیدیوں کا پتہ چلتا ہے، عزاداری کی وجہ سے دنیا کے مختلف علاقوں میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ مکتب آل محمدؐ کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اگر لوگ قیام امام حسین علیہ السلام کو سمجھ لیں تو سب جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں، امام حسین علیہ السلام کون ہیں؟ امام حسین علیہ السلام کس کے فرزند ہیں؟ اور امام حسین علیہ السلام کے نانا کون ہیں؟ ذرا قلب سلیم کے ساتھ سوچیں اور معرفت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، امام حسین علیہ السلام، علی و فاطمہ علیہما السلام کے فرزند ہیں، امام حسین علیہ السلام کے نانا صاحب شریعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، جنھوں نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی شان میں فرمایا: ”یہ جوانان جنت کے سردار ہیں“، نیز فرمایا: ”یہ دونوں امام ہیں، صلح کریں یا قیام کریں“۔ یہ دونوں حدیثیں مشہور ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں کون آیا؟ جواب یہی ہوگا کہ یزید آیا، یزید کون تھا؟ شارب الخمر، تارک الصلاۃ، بندر باز، ناکح المحرمات اور حلال وحرام کی پرواہ نہ کرنے والا۔

یزید کا باپ کون تھا؟ جواب یہی ہوگا کہ یزید کا ظاہری باپ معاویہ تھا، جو کہ فتح مکہ کے بعد خوف کی وجہ سے مسلمان ہوا، اور مولفۃ القلوب سے تھا، معاویہ کون تھا؟ ابوسفیان کا بیٹا جو کہ ساری زندگی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں آیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگیں کرتا رہا، فتح مکہ کے موقع پر خوف کی وجہ سے مسلمان ہوا، اور مولفۃ القلوب سے تھا۔

سوال یہ ہے کہ یزید جیسے فاسق و فاجر کو امت اسلامیہ پر کس نے مسلط کیا تھا؟ یقیناً جواب یہی ہوگا کہ اس کے باپ معاویہ نے، اور اگر حقیقت تک پہنچنا چاہتے ہیں، تو پھر سوال یہ ہے کہ معاویہ کو شام کی امارت کس نے دی تھی؟ اور جس نے اس کو شام کا والی بنایا تھا، اس کو کس نے خلیفہ بنایا؟ اور پھر اس کو کس نے؟ آیا اس کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا یا ووٹوں کے ذریعہ بنا تھا؟ صاحبان فہم پر مخفی نہیں ہے کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا تو پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جانے کی کیا ضرورت تھی؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر پر ہزاروں صحابہ کے سامنے بحکم خدا حضرت علی علیہ السلام کا بازرو پکڑ کر بلند کر کے فرمایا: "**من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ**"، جس کا میں سردار ہوں اس کا میرے بعد یہ علی سردار ہیں۔

اور لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کو اس سرداری پر مبارکباد بھی دی تھی، لیکن اس واقعہ کے ۷۰ دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ہوئی تو لوگوں نے اس عہد کو توڑ دیا اور نص کے مقابلہ میں خلافت سقیفہ کا انعقاد کیا۔

عزاداری امام حسین علیہ السلام اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے والے کا تعلق سقیفہ سے تھا اور امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب جملہ کہ ''میں سقیفہ کا مقتول ہوں'' نے دشمنان آل محمدؑ کو رسوا کر دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے عزاداری امام حسین علیہ السلام کو حرام قرار دینے کے لئے فتوے دئے ہیں۔

حضرت آدم وحوّا نے اپنے شہید بیٹے پر گریہ اور نوحہ خوانی کی

''مکث آدم و حوا ینوحان علی هابیل دهراً طویلاً حتی یقال انه خرج من دموعها کالنهر''.(۱)

حضرت آدم وحوّا نے ہابیل پر طولانی مدت گریہ وزاری اور نوحہ خوانی کی یہاں تک کہ کہا گیا کہ ان کے آنسوں سے گویا نہر جاری ہوگئی۔

''لما قتل ابن آدم اخاه بکاء آدم''.(۲)

---

(۱) تاریخ یعقوبی، ج ۱، ص ۷، طبع دار صادر، بیروت.

(۲) تاریخ طبری، ج ۱، ص ۹۲، طبع بیروت.

جب حضرت آدم کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو شہید کیا تو حضرت آدم نے گریہ کیا۔

حضرت یعقوب نبی علیہ السلام نے اپنے بیٹے یوسف کے فراق میں گریہ کیا۔

﴿وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (۱)

اور (حضرت یعقوب روکر) کہنے لگے: ہائے افسوس یوسف پر اور (اس قدر روئے کہ) ان کی آنکھیں صدمہ سے سفید ہوگئیں وہ تو رنج میں بڑے ضابط تھے۔

باخبار حضرت جبرئیل، حضرت یعقوب علیہ السلام جناب یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے کو جانتے تھے اس کے باوجود عرصہ دراز تک ان کے فراق میں گریہ کرتے رہے اور اس کے باوجود قرآن نے ان کو صابر کہا ہے، تو معلوم ہوا کہ گریہ وزاری صبر کے ساتھ منافات نہیں رکھتی، مخفی نہ رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسّی (۸۰) سال گریہ کیا تھا۔ (۲)

حضرت حمزہ شہید کا ماتم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعا دینا

خلاصہ: جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ احد سے واپس مدینہ آئے اور دیکھا

---

(۱) سورہ یوسف، آیت ۸۴.

(۲) تفسیر کشاف، زمخشری، ج۲، ص ۲۷۱، درّ منثور، ج۴، ص۵۶۸، تفسیر بغوی المسمیٰ معالم التنزیل، ج۲، ص ۴۴۴، طبع دار المعرفة، بیروت، و کتب دیگر.

کہ انصار کی عورتیں اپنے شہیدوں پر گریہ کر رہی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گریہ کی آواز سنی تو بہت متاثر ہوئے کہ لوگ اپنے شہداء پر گریہ کر رہے ہیں لیکن ان کے چچا حضرت حمزہ پر کوئی گریہ کرنے والا نہیں ہے، فرمایا: "اما حمزة فلا بواکی له".

جب انصار کی عورتوں کو پتہ چلا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی طرف چلیں اور حضرت حمزہ کی ماتم داری کی، حضورؐ نے ان کے حق میں دعا خیر فرمائی، پھر جب بھی کسی پر گریہ کیا جاتا تو پہلے حضرت حمزہ پر کیا جاتا تھا۔(۱)

اہل سنت کی کتب میں نقل ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے اور ان کی اولاد کے حق میں بھی دعا کی (۲) بلکہ ان کی اولاد کی اولاد کو بھی دعا دی۔(۳) رضی اللہ عنکن و عن اولاد اولادکن، اللہ تم سے اور تمہاری اولاد کی اولاد سے راضی ہو۔

نوٹ: معلوم ہوا کہ شہید پر گریہ وزاری و ماتم داری بدعت نہیں ہے بلکہ سنت رسول ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے ان کی

(۱) طبقات کبریٰ، ج ۲، ص ۴۴، طبع دار بیروت للطباعة و النشر.

(۲) سیرہ حلبیه، ج ۲، ص ۵۴۶، طبع دار المعرفة، بیروت.

(۳) معارج النبوة، رکن چهارم، ص ۸۳، تالیف معین کاشفی طبع بمبئی.

ولادت کے ایام میں ان کے آنے والے مصائب کو یاد کر کے گریہ کیا۔(۱)

جب نعمان بن مقرن کی موت کی خبر عمر بن خطاب کو سنائی گئی تو اس نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا اور چیخ کر کہا:

یا أسفا علی النعمان لما نعی النعمان بن مقرن الی عمر بن الخطاب وضع یده علی راسه و صاح یا أسفا علی النعمان.(۲)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت ام المومنین عائشہ نے رسول خدا کی دوسری بیویوں کے ساتھ مل کر ماتم کیا۔

قمت و التدم مع النساء و اضرب وجهی.

عائشہ کہتی ہیں کہ نبی کریم نے میری گود میں وفات پائی، میں نے آنجناب کا سر مبارک تکیہ پر رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی میں نے دوسری عورتوں کے ساتھ اپنا منہ پیٹ لیا۔(۳)

---

(۱) مستدرک حاکم، ج۳، ص ۱۷۶. ۱۷۷، طبع دار المعرفة، بیروت، و کتب دیگر.

(۲) العقد الفرید، ج۳، ص ۱۹۱، طبع دار الکتب العلمیه، بیروت.

(۳) مسند احمد، ج۶، ص ۲۷۴، طبع دار صادر، بیروت، سیره نبویه ابن هشام، ج۴، ص ۳۰۵، طبع مصر، تاریخ طبری، ج۲، ص ۲۳۲، حوادث سنه ۱۱، طبع دار الکتب العلمیه، بیروت، تاریخ کامل، ج۲، ص ۲۳۳، طبع دار صادر بیروت، تاریخ خمیس، ج۲، ص ۱۶۶، طبع بیروت، تاریخ ابی الفداء، ج۱، ص ۲۱۴، طبع دار الکتب العلمیه، بیروت، و کتب دیگر.

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور بنی ہاشم کی دیگر مستورات نے امام حسین علیہ السلام پر ماتم کیا:

فصاح النساء و لطمن خدودهن و صاحت زينب أخته يا محمداه، الخ(۱)

کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی لاش پر بیبیاں روئیں اور اپنے چہرے پیٹے اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے یا محمداہ کہہ کر فریاد کی اور مرثیہ پڑھا۔

نوٹ: اثبات گریہ و ماتم میں قرآن اور سنت کی رو سے دیگر دلائل بھی موجود ہیں، لیکن منصف مزاج کے لئے اسی میں کفایت ہے، متعصب اور لجوج بیسیوں دلیلوں سے بھی قانع نہیں ہوتا، خداوند عالم بحق محمد و آل محمد علیہم السلام سب کو حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

سوال: آپ شیعہ حضرات کی روایات میں اموات پر چیخ و پکار اور گریہ و زاری کرنے سے منع وارد ہوئی ہے۔

جواب: یہ روایات عام ہیں اور مقام میں ان کو تخصیص لگائی گئی ہے اس طرح کی روایات عزاداری امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مربوط نہیں ہیں، جس کی دلیل امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: "كل الجزع و البكاء مكروه سوى الجزع و البكاء على الحسين"(۲)

---

(۱) تاریخ کامل، ج۴، ص ۸۱، طبع دار صادر بیروت، تاریخ طبری، ج۳، ص ۳۳۶، حوادث سنه ۶۱ و کتب دیگر.

(۲) بحار الانوار، ج۴۴، ص ۲۸۰، وسائل الشیعه، کتاب الطهارة، باب ۸۷ از ابواب الدفن، (تھوڑے اختلاف کے ساتھ) و کتب دیگر.

ہر جزع اور بکاء مکروہ ہے مگر امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر مکروہ نہیں ہے۔

ایک اعتراض کا جواب:

جاہل اور متعصب قسم کے لوگ، لوگوں میں یہ شبہ ڈالتے ہیں کہ شہید بحکم قرآن زندہ ہوتا ہے تو زندہ پر گریہ وزاری چہ معنی دارد؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مغالطہ سے کام لیا گیا ہے، بے شک شہید زندہ ہوتا ہے، لیکن اس کی زندگی سے مراد برزخی زندگی ہے، جو کہ بدن سے روح نکلنے کے بعد شروع ہوتی ہے، نہ کہ ہماری زندگی کی طرح (۱) پس شہید کی زندگی سے مراد معنوی اور باطنی زندگی ہے وگرنہ شہید پر نماز جنازہ پڑھنا، اور اس کی میراث کو تقسیم کرنا اور اس کی چھوٹی اولاد کو یتیم کہنا اور اس کے لئے فاتحہ خوانی کا کیا مطلب رہ جاتا ہے، غور فرمائیں۔

خلاصہ یہ کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام اور ائمہ طاہرین علیہم السلام موجب ثواب، گناہوں کی بخشش کا ذریعہ، اور اجر رسالت کا واضح مصداق ہے، لہٰذا عزاداری امام حسین علیہ السلام میں گریہ وزاری اور ماتم داری، نوحہ خوانی، مرثیہ خوانی

---

(۱) یہی وجہ ہے کہ قرآن نے فرمایا: ولکن لاتشعرون، تم ان کی زندگیوں کا شعور نہیں رکھتے، عزاداری پر سب اعتراضات کے جوابات ہم نے اپنے رسالہ پاسخ بہ شبہات واعتراضات بہ عزاداری امام حسین علیہ السلام بزبان فارسی میں دئے ہیں صاحبان تحقیق رجوع فرما سکتے ہیں۔

زنجیر زنی (۱) علم مبارک کا نکالنا ذوالجناح کا نکالنا، معصومین علیہم السلام کی ضریحوں کی شبیہہ بنانا، مومنین کو اطعام دینا، سبیل لگانا، غم امام حسینؑ اور دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام کے غم میں سیاہ لباس پہنا، (۲) یہ سب امور جائز اور موجب شفاعت معصومین علیہم السلام ہیں، عزاداری اسلام کی بقاء کی ضمانت ہے، للہذا مجالس عزا کو پورے اہتمام کے ساتھ منعقد کرنا چاہئے اور مجالس کے تقدس کو مکمل طور پر ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔ (۳)

---

(۱) زنجیر زنی کرتے ہوئے اس بات کی طرف توجہ رہے کہ ہڈی کو نقصان نہ پہنچے اور مذہب کی ہتک کا موجب بھی نہ بنے۔

(۲) عام حالات میں سیاہ لباس پہننا مکروہ ہے، لیکن غم امام حسین علیہ السلام میں مکروہ نہیں ہے، اور اس لباس میں نماز بھی مکروہ نہیں ہے۔

(۳) مجالس عزاداری میں کوشش کی جائے کہ خواہ سامعین ہوں یا واعظین یا ماتمی حضرات باوضو ہو کر شرکت کریں، اور مجالس میں ذکر فضائل ومصائب محمد وآل محمدؐ کے ساتھ اچھے انداز میں اعتقادات، اخلاقی روایات اور احکام شریعت بھی بیان کئے جائے تاکہ مومنین صحیح عقیدہ کے ساتھ آل محمد علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر سعادت کی بلند منزلوں پر فائز ہوسکیں۔

نوٹ:

جن مومنین کرام نے اس نیک کام کے سلسلہ میں ہمارے شعبہ نشر واشاعت کے دینی ادارہ مؤسسہ جوادالائمہ کی مالی اعانت فرمائی ہے ہم ان کے تہہ دل سے مشکور ہیں۔جزاهم الله خير الجزاء

دیگر مومنین کرام بھی اس کار خیر میں حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کرسکتے ہیں۔

نیز اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے علمی، تحقیقی کتب اور رسالے چھپوانے میں ہمارے شعبہ تبلیغات، نشر واشاعت کی مالی اعانت فرما کر اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ جب تک یہ تحریریں باقی رہیں گی، ان کے نامۂ اعمال میں ثواب لکھا جائے گا۔ مذہب حقہ کی خدمت بھی ہو جائے گی اور ان مرحومین کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ثواب بھی ملتا رہے گا، اور آپ کی مذہبی غیرت بھی زندہ رہے گی۔

ہمارے شعبہ تبلیغات کے منشورات تعصب سے بالاتر اور تحقیق پر مبنی ہیں:

منشورات مؤسسہ جواد الائمہ (ع)

﴿۱﴾ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز۔

چار بار طبع ہو چکی ہے۔ یہ وہ علمی رسالہ ہے جس کو پڑھ کر کئی ایک اہل سنت نے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا شروع کر دی ہے۔ مومنین کے بیشتر استفادہ کی خاطر اس رسالہ کو مع تجدید نظر اور اضافات کے کتاب ہذا میں باب دوم کی صورت میں شامل کر دیا گیا ہے، نیز باب اول وسوم کو۔

﴿۲﴾ مستند المناظرین

﴿۳﴾ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو، دو بار طبع ہو چکا ہے۔

﴿٤﴾ رسالہ عزاداری امام حسین علیہ السلام (فارسی زبان میں)

﴿٥﴾ الشهادة الثالثة، (بزبان عربی)

﴿٦﴾ اَجوبۃُ الأسئِلَة (علمی سوالات کے جوابات)

﴿۷﴾ صراط النجاة، (کتاب ہذا)

(۸) علمی رسائل

(۹) قواعد الحدیث واصطلاحه

(۱۰) دفع الشبهات عن [illegible]

مصنف کے غیر مطبوعہ قلمی آثار

﴿۱﴾ دفع الشبہات عن الامام المہدی عجل اللہ فرجہ الشریف: اس کتاب میں نواصب کے اعتراضات کے ٹھوس علمی اور متقن جوابات دئے گئے ہیں۔

﴿۲﴾ رسالہ، سیرت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا۔

﴿۳﴾ رسالہ، وہابیت اہل سنت کی نگاہ میں۔

﴿۴﴾ فضائل الشیعہ۔

﴿۵﴾ اسوۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

﴿۶﴾ کردارِ بنوامیہ۔

﴿۷﴾ آداب الدعاء۔

﴿۸﴾ تعلیقہ، کتاب منہاج الصالحین کے بعض مہم مقامات پر حاشیہ۔

﴿۹﴾ عقائد الشیعہ۔

﴿۱۰﴾ مستند المناظرین، (بزبان فارسی)

﴿۱۱﴾ التحقیق فی آیۃ الغار۔

﴿۱۲﴾ وتحقیقات دیگر۔

فہرست مطالب

عنوان مطالب
شمارہ صفحہ

۱۔ باب اوّل در وضوء النبیؐ، (ہمارے نبیؐ کا وضو) ۱۳

۲۔ باب دوم صلوٰۃ النبیؐ، (ہمارے نبیؐ کی نماز) ۵۷

۳۔ باب سوم در تکبیرات جنازہ ۱۰۱

۴۔ باب چہارم در نکاح متعہ ۱۴۹

۵۔ باب پنجم در تقیہ ۱۶۱

۶۔ باب ششم در مسئلہ فدک ۱۷۱

۷۔ باب ہفتم در مسئلہ بنات پیغمبر ۱۸۵

۸۔ باب ہشتم در عقد ام کلثوم ۱۹۷

۹۔ باب نہم در عزاداری امام حسین علیہ السلام ۲۰۵

☆☆☆☆☆

رزق اور عمر میں اضافہ کے اسباب

نسخہ نمبر۱

والدین سے نیکی اور اچھا سلوک کرنا

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کی عمر زیادہ ہو اور اُس کے رزق میں وسعت ہو تو وہ ماں باپ سے اچھا سلوک کرے کیونکہ اُن سے اچھا سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔''

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ:

''اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ خدا آپ کی عمر بڑھا دے تو آپ کو چاہیے کہ والدین کو خوش رکھیں۔''

اچھے سلوک میں یہ شامل ہے کہ:

(۱) ...... اُن کو کبھی ناراض نہ کریں۔

(۲) ...... اگر وہ ناراض ہو جائیں تو جب تک وہ راضی نہ ہو جائیں تو چین سے نہ بیٹھیں۔

(۳)...... کبھی بھی ان کے مقابلے میں بیوی یا دوسروں کی علی الاعلان حمایت نہ کریں۔

(۴)...... کبھی اُن کو ڈانٹنے کی جرأت نہ کریں۔اور نہ ہی نظرِ غضب ان پر ڈالیں۔

(۵)...... اُن کی مادّی ضروریات اور نفسیاتی ضروریات کا خیال رکھیں۔

(۶)...... اُن کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کریں۔

(۷)...... اُن کی معاشرتی حیثیت آپ کی حیثیت سے کمتر نہ ہو۔

(۸)...... اگر وہ انتقال کر گئے ہوں تو اُن کے لئے دعائے خیر اور نیک اعمال انجام دینے اور ان کے قضا واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

(۹)...... اگر ممکن ہو تو صحیفۂ کاملہ میں امام سجادؑ کی والدین کے حق میں دعا بمعہ ترجمہ اکثر پڑھا کریں۔

(۱۰)...... مرنے کے بعد بھی انھیں یاد رکھیں۔

حضور اکرمؐ فرماتے ہیں کہ:

"مرنے کے بعد ان کے لئے نمازیں پڑھے ،اُن کے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگے ،اُن کے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرے، اُن کے دوستوں کا احترام کرے اور ان کے رشتہ داروں سے میل ملاقات رکھے۔"

نیک لوگوں کی سرداری :

آپ ؑ ہی کا ارشادِ گرامی ہے کہ

''بروز قیامت نیک لوگوں کا سردار وہی ہوگا جو والدین کے مرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ نیک سلوک کرے۔''

موت کی آسانی:

امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ خداوندِ عالم اُس پر موت کی سختی کو آسان کر دیں اُسے چاہیئے کہ اپنے ماں باپ کے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔''

والدین سے نیکی اپنی اولاد کو نیک بناتی ہے:

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ:

''تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو (تاکہ) تمھاری اولاد تمھارے ساتھ نیکی کرے۔''

روحانی باپ نیکی کا زیادہ مستحق ہے:

رسول اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''میں اور علیؑ دونوں اس اُمت کے باپ ہیں۔''

جس طرح جسمانی والدین کو اذیت دینے کے بارے میں جس عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے روحانی باپ کی نافرمانی کی سزا اس سے ہزاروں گُنا زیادہ سخت ہے۔

حضرت امام رضاؑ نے ایک مرتبہ اپنے اصحاب سے فرمایا:

''کیا تم کو بُرا نہیں لگے گا کہ ماں باپ ناراضگیوں کی بناء پر کہیں کہ یہ میری اولاد نہیں ہے۔''

حاضرین نے کہا:

''ہمیں ضرور بُرا لگے گا۔''

آپؑ نے فرمایا:

''روحانی ماں باپ تمہارے ماں باپ سے افضل ہیں لہٰذا انھیں اس بات کا موقع نہ دو بلکہ اُن کے فرزند ہونے کا شرف حاصل کرو۔''

ملنے کا پتہ

دارالعلوم محمدیہ بلاک نمبر 19

سرگودھا پنجاب، پاکستان

رابطہ نمبر: 0321-6034109

یا حسین ع
صلی الله علیک یا اباعبدالله الحسین الشهید